مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماھنامہ

نقوش اسلام

Issue.No.5	جولائی ۲۰۰۹ء (July,2009) رجب ۱۴۳۰ھ	VOL.No.4

زیر سرپرستی

مفکر ملت حضرت سید محمد رابع حسنی ندوی
ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری

مجلس مشاورت

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی — مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی — الحاج موسیٰ بھائی درسوت
مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی — مولانا محمد احمد صالح جی
مولانا حافظ قاری محمد ایوب — مولانا محمد اختر قاسمی

مجلس ادارت

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہدپوری ❁ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیرنگری

چیف ایڈیٹر
محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی
حافظ عبدالستار عزیزی

مدیر معاون
ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058
E.mail : nuqooshe_islam@yahoo.co.in
masood _azizinadwi@yahoo.co.in
ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفرآباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے
فی شمارہ..............۱۰/روپئے
سالانہ..........................۱۰۰/روپئے
خصوصی...... ......۳۰۰۰/روپئے
ایشیائی، یورپی افریقی و امریکی ممالک کے لیے ۲۰/ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 09719639955

منیجر توسیع واشاعت : قاری محمد صالحین
09675335910/ 09813806392

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER MOHD.MASOOD AZIZI NADVI
PRINTED BY UNION PRINTING PRESS DEOBAND SAHARANPUR PUBLISHED AT
Vill&P.O.MUZAFFARABAD, DISTT.SAHARANPUR (U.P) **EDITOR**:MOHD.MASOOD AZIZI NADVI

E:\Photo Darul Uloom\Album DU\Tif Files\A017.TIF not found
Uloom\Album DU\Tif Files\A003.TIF not found.
E:\Photo Darul Uloom\Album DU\Tif Files\A017.TIF not found

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
سبق پڑھ پھر صداقت کا عدالت کا......	محمد مسعود عزیزی ندوی	
تاریخ اسلام		۵
اسلامی تمدن اور خواتین	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی	
اعجاز قرآنی		۱۲
قرآن کریم کا اعجاز اور اس کے فنی محاسن	مولانا مفتی رحمت اللہ نیپالی ندوی	
فکروعمل		۱۴
نکاح نسل انسانی کی پہلی اینٹ	مولانا کبیر الدین فاران مظاہری	
جائزہ		۱۶
زبان وادب اور اردو پس منظر	مولانا افتخار احمد سمستی پوری، اکل کوا	
مسائل وفقہ		۲۳
امامت کے مسائل اور احکام	محمد مسعود عزیزی ندوی	
تجزیہ		۲۸
ہندو پاک کے فقہی مکاتب فکر......	مولانا سید عبدالرشید ندوی، لکھنؤ	
تاریخ آزادیٔ ھند		۳۱
جنگ آزادی میں ندوۃ العلماء کا کردار	مولانا عبدالوکیل ندوی	
خوشخبری		۳۶
۳۱ر مسلمان آئی، اے، ایس میں......	مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی	
سیرت وکردار		۳۹
مسلم خواتین کے سچے واقعات	محمد شیث ادریس تیمی جامعہ نگر دہلی	
اصلاحیات		۴۲
شریعت اسلامیہ میں حلال وحرام	مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری	
تبصرے		۴۷
نئی کتابوں پر تبصرہ	محمد مسعود عزیزی ندوی	
مراسلات		۴۸
آپ کی رائے	(ادارہ)	

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	۳۰۰۰............
// // اول اندرونی	// //	۲۵۰۰............
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰............
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰............
آدھا صفحہ اندرونی		۶۰۰............
¼ صفحہ //		۴۰۰............

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہو رہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۱۰۰ر روپے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسٹ پریس دیوبند میں طبع کراکے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سنیٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

سبق پڑھ پھر صداقت کا عدالت کا شجاعت کا

محمد مسعود عزیزی ندوی

مسلمان اس سرزمین پر اللہ کا خلیفہ ہے اور کائنات کا سارا نظام مسلمان ہی کے لیے ہے، مگر اس وقت اگر اس کی حالت دیکھی جائے، اس کی زندگی کا جائزہ لیا جائے اور اس کے خاندان کا، اس کے معاشرے کا، اس کی بود و باش کا، اس کے رہن سہن کا، اس کی اجتماعی وانفرادی زندگی کا مشاہدہ کیا جائے تو جو شخص اسلامی تعلیمات سے واقف ہوگا وہ پہچاننے سے انکار کردے گا، کہ یہ مسلم قوم ہے، اور یہ وہی لوگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالی نے اتنا بڑا کارخانہ بنایا، اور ساری کائنات کا نظام چلایا، حالانکہ اللہ تعالی نے ان کو حکم دیا تھا کہ ''اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرے، اللہ کا لحاظ کیا، تو وہ تمہیں حق و باطل کے درمیان فرقان بنادے گا'' اور لوگ دور سے پہچان لیں گے کہ یہی وہ مسلمان ہے، یہی وہ اعلی اخلاق و کردار کے حامل انسان ہیں۔

••••——————••••

مگر جب ہم معاشرے پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہیں، تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ دنیا کی اکثر برائیاں مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں، مثلاً جھوٹ، سودخوری، رشوت ستائی، چغل خوری، غیبت، بہتان، زنا کاری، بدنگاہی، حسد و بغض، کینہ و کپٹ، بددیانتی، خیانت، ظلم و زیادتی، گندگی، رسوم و رواج، تعلّی، فخر و غرور، حب جاہ، حب مال، کنبہ پروری، ناانصافی، بے رحمی، خودستائی، بے غیرتی، بے حمیتی، حرص و طمع، ذخیرہ اندوزی، قتل و غارتگری، رہزنی ولوٹ ماری، آبروریزی، دغابازی، فریب، دھوکہ دہی، بے وفائی، عہد شکنی، ریاکاری، تکبر، گھمنڈ، مکاری، عیاری، بداخلاقی، بدکرداری، بدگمانی، طعن و تشنیع، جہالت و ضلالت، فضول خرچی، اسراف، افراط و تفریط، غیض و غضب، غلو اور دشنام طرازی جیسی صفات رذیلہ معاشرے میں رچ بس گئی ہیں، بلکہ ان سب سے بڑھ کر بے دینی جیسا ماحول معلوم ہوتا ہے، شاید بادی النظر میں کوئی اس پر اعتراض کرے اور معاشرے کی ان برائیوں کو دیکھ کر اس کو عجیب سا لگے، یہاں تک کہ وہ کہہ دے کہ ایسا نہیں، تو سچی بات یہ ہے کہ ہر ایک آدمی سنجیدگی سے، اپنے گھر کا، اپنے خاندان کا، اپنے معاشرے کا، اپنے محلے، اپنے گاؤں اور قصبے یا شہر کا جائزہ لے سکتا ہے، بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر کہوں کہ خود اپنی زندگی کا محاسبہ کرے کہ ان اخلاق رذیلہ میں سے کتنے اس کے اندر ہیں، تو شاید وہ بھی کان دبائے اور اپنی حالت پر افسوس کرے۔

••••——————••••

یہ مسلم معاشرے کی عام تصویر ہے جس کی وجہ سے مسلمان کمیت اور اکثریت کے باوجود دنیا کے اندر، دسترخوان پر روٹی اور بوٹی کی طرح ہیں، ہر ایک قوم اور ہر ایک ملک ان کو ہڑپ کرنا چاہتا ہے اور صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتا ہے، حالانکہ کل تک یہی مسلمان تھے کہ دنیا کی قومیں ان سے آنکھ ملانے سے کتراتی تھیں اور ان سے صلح کرنے میں ہی عافیت سمجھتی تھیں، کیونکہ یہ اس وقت

کردار کے غازی، گفتار کے سچے تھے، انداز دلبرانہ اور کردار قاہرانہ کے حامل تھے، اوران کے اندر ایمانی قوت، ربانی صفات، تعلق مع اللہ، صفائی ستھرائی، امانت ودیانت، صداقت وعدالت، شجاعت وہمت، جوانمردی، ثابت قدمی، استقلال، استقامت اعتدال پسندی، میانہ روی، مساوات ومواسات، غمگساری، اخوت وہمدردی، اخلاص وللّٰہیت، محبت وتعلق، عزت واحترام ''تعاون علی البر والتقویٰ'' اکرام مسلم، عظمت اکابرین، احترام علماء دین، افشاء سلام، کسب حلال، صلہ رحمی، رحم دلی، انصاف وعدل، غیرت وحمیت، تعلیم وتربیت، دعوت وعزیمت، تقوی وطہارت، عفت وعصمت، شکرگزاری، ایمانداری، تسلیم ورضا، توکل ویقین، معرفت خداوندی، ذکرالٰہی، رضا بالقضاء، دین داری، بلکہ دین پسندی جیسی صفات تھیں، آپس میں ایک دوسرے کا احترام، ایک دوسرے کی عظمت، ایک دوسرے سے ہمدردی، ایک دوسرے کے دکھ درد میں شرکت، چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا احترام، دوسروں کی محنتوں اور کوششوں کو سراہنے کا جذبہ، سب کے دینی کاموں کو اپنا کام سمجھنا، یہ سب باتیں تھیں جن کی بنا پر وہ دین ودنیا کی کامیابی وکامرانی کے مستحق تھے، جب تک مسلمان اسلامی اصولوں اور آسمانی ہدایات پر عمل پیرا رہے، اس وقت تک دنیا کی تمام قوموں نے ان کا بڑھ کر استقبال کیا، اور مسلمانوں نے دنیا پر روحانی حکمرانی بھی کی اور حقیقی حکمرانی بھی، مگر آج معاملہ یہ ہے کہ ہم ذلیل وخوار ہیں، ہرطرف سے ہمارے اوپر یلغار ہورہی ہے، قسم قسم کے ہمارے اوپر حملے ہورہے ہیں، ہماری مسجدوں اور خانقاہوں کو مسمار کیا جارہا ہے، آخر ایسا کیوں؟ یہ سب ہماری بداعمالیوں کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے، مگر اس وقت کچھ خدا کے بندے ایسے ضرور ہے جو دین کو مکمل طریقے سے اختیار کئے ہوئے ہیں اوران میں سچائی ہے، ایسا نہیں کہ اب ایسے بندے نہیں، ضرور ہیں، مگر بہت تھوڑے، اس لیے کہ اگر ایسے نفوس قدسیہ بالکل ختم ہوجائیں، تو دنیا کا نظام درہم برہم ہوجائے گا، ابھی دنیا کی بقاء ایسے لوگوں کے دم قدم سے ہی ہے، ورنہ قیامت قریب ہے۔

آج بھی مسلمان کامیابی سے ہمکنار ہوسکتے ہیں، آج بھی دنیا ان کے قدموں کو چوم سکتی ہے، آج بھی وہ اسی عزت وعظمت اور سربلندی کے ساتھ دنیا میں رہ سکتے ہیں، اگر ان کو اپنا بھولا ہوا سبق یاد آجائے، اب بھی اگر یہ آگے بڑھنے اور جدت پسندی کی بجائے، چودہ سو سال پیچھے چلے جائیں، یعنی ان کی مکمل زندگی میں مکمل اسلام داخل ہوجائے، تو دنیا کی ترقی یافتہ ساری قومیں ان کی امامت تسلیم کرلیں گی، آج کل مسئلہ یہ ہے کہ نہ تو مسلمان دینی وروحانی اعتبار سے مسلح ہے اور نہ دنیاوی اور مادی اعتبار سے مضبوط، نتیجہ یہ ہے کہ وہ اس وقت دنیا میں بے وقعت اور بے قیمت ہوکر رہ گیا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ امت کے طبقہ خاص کے لوگ، علماء، زعماء اور تعلیم یافتہ حضرات بھی اپنے اندر سچائی اور خلوص پیدا کریں، اور عوام بھی اپنے علماء کی بات مان کر ان کے نقش قدم پر چلیں، تو پھر زندگی میں وہی باگ وبہار آجائے گی، وہی ایمان کی باد بہاری چل جائے گی، اور دنیا جو اس وقت جہنم بنی ہوئی ہے، جنت کا ایک ٹکڑا بن جائیگی۔

سبق پڑھ پھر صداقت کا عدالت کا شجاعت کا ❁ لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

تاریخ اسلام

اسلامی تمدن اور خواتین

افادات مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ....مرتب: مولانا محمد عزیز اللہ ندوی ادارۃ الصدیق بہٹ

معزز خواتین! میرے لیے بڑا خوش گوار موقعہ ہے کہ میں آپ سے ایک دینی بھائی کی حیثیت سے گفتگو کروں، یہ اللہ تعالی کا احسان ہے کہ اس نے مجھے ان فاضل بہنوں سے بات کرنے کا موقع عنایت فرمایا، جن کی مدد اور تعاون کے بغیر کوئی صالح اور ذمہ دار سوسائٹی وجود میں نہیں آ سکتی، مردوں کے سامنے تقریر کرنے اور ان سے گفتگو کرنے کے بہت سے مواقع حاصل ہوتے ہیں، لیکن اس مبارک موقع پر میں اپنی فاضل دینی بہنوں سے کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

انوکھا چیلنج:

معزز خواتین! اسلام کو بالکل ابتدا ہی میں ایک ایسے انوکھے چیلنج کا سامنا کرنا پڑا جس سے ادیان و مذاہب کی تاریخ میں کسی مذہب کو واسطہ نہیں پڑا۔

جزیرۃ العرب میں اسلام کے ظہور کے بعد جو دینی، اخلاقی، معاشرتی اور عقائدی تعلیمات لے کر آیا تھا یہ چیلنج اس طرح سامنے آیا کہ اسلام کو دو ایسے ترقی یافتہ تمدنوں سے واسطہ پڑا، جن سے بڑھ کر کسی دوسرے تمدن کا تجزیہ انسانی اور تہذیبی تاریخ میں نہیں کیا گیا تھا، یہ دو تمدن رومی اور ایرانی تمدن تھے، یہ تمدن تہذیب، آرٹ، آزادی، نکتہ رسی، تخیل کی بلندی، انسانی زندگی کو سنوارنے اور اس کو منظم کرنے، راحت و آسائش کے سامان کی فراہمی اور فراوانی میں کئی منزلیں طے کر چکے تھے اور ترقی کے آخری درجہ تک پہنچ گئے تھے، یہ تمدن اپنی تراش خراش میں بڑی رعنائی رکھتے تھے اور بہت حساس تھے۔

رومی وایرانی اوراس کے اثرات:

رومیوں اور ایرانیوں کو کتابوں سے پٹے ہوئے کتب خانوں، عظیم الشان آلات و وسائل، راحت و دلچسپی کے سامان، شعر لطیف اور ذوق بلند، ادب و آرٹ اور زندگی گزارنے کے مختلف طرز و انداز، خانہ آبادی کے طور وطریق پر ناز تھا اور ان ساری چیزوں سے ان کا تمدن مالا مال تھا۔

ان کے برخلاف عرب اپنے ابتدائی دور میں یا دوسرے الفاظ میں تہذیبی طفولیت کے دور میں تھے، درحقیقت یہ تجربہ جس سے اسلام کو گزرنا پڑا، بڑا نازک تجربہ تھا، اسلام یقیناً آسمانی تعلیمات، عقائد اور اخلاق عالیہ اور آداب حسنہ سے آراستہ تھا، لیکن تہذیب اور معاشرہ کی قیادت کی باگ ڈور رومیوں اور ایرانیوں کے ہاتھ میں تھی، اس لیے اس کا امکان تھا اور سارے قرائن بھی بتا رہے تھے کہ یہ عرب اور مسلمان جنھوں نے ایک تنگ و تاریک ماحول میں آنکھیں کھولی ہیں اور جن کے پاس بہت محدود وسائل ہیں، جن کی زمین دولت کے سرچشموں سے خالی ہے اور جو تمدن کے وسائل و ذرائع سے بالکل محروم ہیں، جن کی زندگی خیموں اور معمولی مکانات میں گزرتی ہے، اونٹوں اور گھوڑوں پر جن کے مواصلات کا دارومدار ہے، جن کی زندگی خانہ بدوش زندگی ہے، امکان اسی کا تھا کہ یہ امت اسلامیہ روم فارس کے تجربات کے سامنے جھک جائے گی اور اس بات کے قوی قرائن موجود تھے کہ جو امت ابھی اپنا دور طفولیت گزار رہی ہے وہ رومی اور

ایرانی تہذیب کو اپنی تمام خرابیوں کے ساتھ قبول کرلے گی کیونکہ جب کسی بھی چیز کو مکمل طریقہ پر اختیار کیا جاتا ہے تو اس کی خصوصیات ولوازمات سے دست بردار نہیں ہوا جاسکتا، عقل یہی کہتی تھی اور توقع اسی بات کی تھی، اس سے پہلے مسیحیت کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔

رومی تمدن کے آگے مسیحیت کی سپراندازی:

مسیحیت ایک عدل وانصاف پر مبنی اور فطری مذہب تھا جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے، لیکن یہی مذہب جب یورپ میں داخل ہوا تو محفوظ نہ رہ سکا، اور اس کا ڈھانچہ بدل گیا، کیونکہ اس کے پاس ایسی جچی تلی اور مفصل تعلیمات نہیں تھیں جو زندگی میں رہنمائی کرسکیں، اساتذہ و معلمین کو صحیح راہ دکھاسکیں، مفکرین اور حکام کی مدد کرسکیں، یہ مذہب یہودیوں کی قانونی تعلیمات پر مبنی ایک شریعت کا نام تھا، انصاف، انسانی مساوات، انسانیت پر کمزوروں اور مظلوموں پر رحم وشفقت اس کا شیوہ تھا، یہودیوں کی سنگ دلی اور ظلم وزیادتی پر وہ سخت تنقید کرتا تھا، اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اس مذاہب اور اس کے پیروؤں نے کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ وہ کسی خاص تمدن کے حامل ہیں، کسی خاص تہذیب کے داعی اور علمبردار ہیں، مسیحیت جب یورپ میں داخل ہوئی، جہاں پہلے یونانی پھر رومی تہذیب ترقی کے بام عروج تک پہنچ چکی تھی، جہاں عقل انسانی نے فلسفہ ادب اور علوم ریاضی میں کمال حاصل کیا تھا، مسیحیت جیسا سادہ مذہب جب وہاں داخل ہوا تو اس کو بالکل ایک نئی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا جس کی کوئی توقع نہ تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ مسیحیت نے یورپی تمدن سے جس کی قیادت رومیوں کے ہاتھ تھی، صلح کرلی، یا دوسرے الفاظ میں اس کے سامنے سپر ڈال دی، اس رومی تمدن کی اساس گزشتہ یونانی تہذیب پر تھی، مسیحیت نے جب اس تمدن سے رگڑ کھائی تو اس کے سامنے جھک گئی اور اس کے سانچے میں ڈھل گئی اور مکمل طور پر شکست کھا گئی، اس کے اندر مقابلہ کرنے اور سنبھلنے کی قوت نہ تھی، وہ خود اعتمادی زندگی اور طاقت ونشاط سے بھرپور چیلنج کے سامنے ٹھہر نہ سکی، نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحیت محدود تعلیمات، محدود قوانین، انسانی مساوات، رافت ورحمت، عدل وانصاف، توحید باری تعالیٰ اور وہ بھی ایک مختصر اور محدود زمانہ تک سے آگے نہ بڑھ سکی، معاشرتی نظام، عائلی زندگی، ادب وفن اور بہت سی اخلاقی اور انسانی قدروں میں وہ ترقی یافتہ رومی تمدن کے سراسر زیر اثر ہوگئی، یہ واقعہ اس لیے پیش آیا کہ مسیحی مذہب اس وقت سے محروم تھا جس کے ذریعہ وہ چیلنج کا مقابلہ کرتا، رومی تہذیب کی چمک دمک سے خیرہ نہ ہوتا۔

تاتاری اوراسلامی تمدن:

دوسرا تجربہ انسانی تاریخ میں تاتاریوں کا تجربہ ہے، آپ الحمدللہ تعلیم یافتہ اور گریجویٹ خواتین ہیں، آپ جانتی ہیں کہ درندہ صفت منگولین یعنی تاتاریوں نے خود عالم اسلام پر ٹڈی دل کی طرح حملہ کیا، وہ اس سیل رواں کی طرح ٹوٹ پڑے، جس کا روکنا اور مقابلہ آسان نہ تھا، انہوں نے جب عالم اسلام کو اپنا نشانہ بنایا تو وہ طاقت سے بھرپور تھے، ان کے پاس ہزاروں سال کی محفوظ طاقت تھی جس کا استعمال انہوں نے نہیں کیا تھا، ان کی طاقت سے ٹکرلینا آسان نہ تھا، انہوں نے عالم اسلام پر حملہ کرکے خون کی ندیاں بہادیں اور عالم اسلام کی شان وشوکت کا چراغ گل کردیا اسلام اور مسلمانوں کی بے حرمتی کی، مسلمان اس طاقت ور اور بلاخیز سیلاب کے سامنے پیچھے ہٹتے رہے، ان کی حکومتیں ایک ایک کرکے شکست کھاتی رہیں اور مسلمانوں نے یہ تسلیم کرلیا کہ ان کے اندر تاتاریوں کے مقابلہ کی طاقت نہیں، نیز تاتاریوں کو کوئی طاقت پھیر نہیں سکتی، کسی میں دم نہیں کہ ان کو زیر کردے۔

یہاں تک کہ یہ بات ضرب المثل سی بن گئی، اگر یہ کہا جائے کہ تاتاری فلاں معرکے میں شکست کھا گئے تو کہہ دینا کہ جھوٹ ہے، تاتاری اور شکست کھاجائیں، یہ خونخوار درندے اور پسپا ہوجائیں یہ ناممکن ہے، عقل اس کو قبول نہیں کرتی، تاتاریوں کا رعب پورے عالم اسلام پر چھا گیا تھا، ایسا ہولناک خوف ورعب جس کا شاید کبھی کسی انسان کو تجربہ نہ ہوا، سب ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی گرد تھے، ان کے

رحم وکرم کے منتظر تھے، لیکن آخری نتیجہ کیا رہا؟۔

اسلامی تمدن کی فتح:

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسلام جس کو بظاہر ان کے سامنے شکست کا منھ دیکھنا پڑا تھا، جو ان کے مقابلہ میں پسپا ہوگیا تھا، اسی نے ان فاتحین کو فتح کرلیا، اس نے تلوار کی نوک سے نہیں فتح کیا، کیونکہ اس کی تلوار کند ہوچکی تھی، مسلمانوں کی تلوار نیام میں تھی، وہ مایوس ہوچکے تھے اور کہتے تھے کہ یہ تلوار کچھ نہ کرسکے گی، اس کی دھار تاتار کے مقابلہ میں بیکار ہوچکی تھی، وہ کیا چیز تھی جس نے تاتار کو فتح کیا؟ وہ دین اعجاز تھا، جو دائمی، ابدی غالب وفاتح، حسین وخوش نما، دل کش ودل نواز دین ہے اور پھر آگے بڑھ کر اسلامی تمدن نے ان کو اپنا مفتوح بنالیا، کیونکہ تاتار تمدن سے عاری تھے، وہ انسانوں کی شکل میں درندے یا درندہ نما تھے، دنیا سے کٹی ہوئی ایک تنگ وادی سے اس کشادہ وسیع دنیا میں آئے تھے، جس نے ترقی کی بہت سی منزلیں طے کرلی تھیں، ان کو ایک تمدن کی ضرورت تھی، صحرا کی زندگی میں ان کو تمدن سے مس نہ ہوا تھا، وہ نیا تمدن اختیار کرنے پر مجبور تھے، کیونکہ کوئی قوم بھی بغیر تمدن کے زندہ نہیں رہ سکتی، نئی زندگی کے لیے مسائل تھے، کھانے، پینے، اوڑھنے، معاشرت اور مہمان نوازی کے نئے طریقے تھے، گھروں کی تعمیر کس طرز پر ہو، رہائش گاہوں کو آرام دہ، صحت بخش، نشاط وسرور سے بھرپور کس طرح بنایا جائے، یہ سب مسائل تھے، اس سے پہلے وہ نہایت سادی بدوانہ زندگی گزارتے تھے، اب وہ ایک نئے تمدن کے سامنے تھے، اس وسیع تمدن سے ان کا معاملہ تھا، جو مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا تھا۔

اس تمدن نے علوم کو ترقی دی تھی اور صنعتوں کی ایجاد کی تھیں، عقل انسانی کو سنوارا تھا، لوگوں کو ذوق لطیف عطا کیا تھا، ان کے لیے نئی حیرت انگیز زندگی پیدا کردی تھی، اس تمدن نے ان آنکھوں کو خیرہ کرلیا اور ان کو اسلامی تہذیب وتمدن کی تقلید کرنے پر مجبور کردیا، وہ اسلام کے قالب میں پگھل گئے، اسلامی زندگی میں گھل گئے، انہوں نے اسلام کا بغور مطالعہ کیا اور قبول اسلام سے مشرف ہوئے، دراصل تمدن ان کے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنا۔

مسلمانوں نے اسلامی تاریخ کے آغاز کے موقعہ پر پہلی صدی ہجری کے بالکل ابتداء میں بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت اور خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، جب شام وعراق اور مصر وایران کو فتح کیا تو نہایت ترقی یافتہ دو تمدن ان کے سامنے تھے، جن کی مادی ترقی کا تصور بھی اس وقت کے مسلمانوں کے لیے مشکل تھا، یہاں تک کہ تاریخ کی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب پہلی مرتبہ انہوں نے چپاتیاں دیکھیں تو یہ سمجھے کہ ہاتھ پوچھنے کے لیے دستی رومال ہیں، کھانے کے بعد انہوں نے ہاتھ پوچھنے کے لیے ان باریک چپاتیوں کو اٹھایا تو معلوم ہوا کہ یہ تو روٹی ہے، غرضیکہ دینی فتوحات کا جب یہ دور شروع ہوا تو ان کو ایک نئے ترقی یافتہ اور دل کش تمدن سے سابقہ پڑا، جس سے وہ بالکل ناواقف تھے۔

لیکن کیا بات تھی جس نے ان کو اس طاقت ور تمدن میں گھل جانے اور پگھل جانے سے محفوظ رکھا، وہ بات یہ تھی کہ انہوں نے اس تمدن کو نہ تو اپنایا اور نہ زندگی میں اس کی تقلید کی، اس طرح اسلامی تمدن محفوظ اور صحیح وسالم طریقہ سے آج ہم تک پہنچ سکا، آج یہ اسلامی تمدن جس طرح یہاں ہے ویسے ہی ہندوستان وپاکستان میں ہے، سعودی عرب اور مراکش میں ہے، افریقہ اور ایشیاء میں ہے، اس پوری مدت میں یہ تمدن کس طرح اپنی حفاظت کرسکا؟ اس تمدن کی بقاء، اس کی قوت اور ٹھہراؤ اور یہاں کے چیلنجوں پر اس کے غلبہ حاصل کرنے کے پیچھے کیا راز ہے، وہ چیلنج جس کا مقابلہ نہ مسیحی کرسکے نہ وہ تاتاری فاتح جنھوں نے سارے عالم کو زیر کرلیا تھا اور پورے عالم اسلام کو روند ڈالا تھا، لیکن تمدن کے مسئلہ پر وہ بھی قابو نہ پاسکے تھے۔

مسلمانوں نے اس پیچیدہ اور انوکھی مشکل پر کیسے قابو پایا؟ بہت سے مصائب ومشکلات ایسی ہوتی ہیں جن کو سہارا لیا جاتا ہے، مثلاً دینی تعصب کی بنیا ظلم وتعدی جس سے مسلمانوں کو واسطہ پڑتا رہتا اور وہ اس کا مقابلہ کرتے رہتے ہیں، ہم ہندوستان میں بہت سے چیلنجوں کا

مقابلہ کررہے ہیں، ہندی قومیت کا چیلنج، غیر اسلامی تعلیم وثقافت کا چیلنج، بت پرستی اور شرک کا چیلنج، اللہ کے فضل سے ہم نے ان چیلنجوں کا مقابلہ کیا اور ڈٹ کر کیا، لیکن جب مسلمان ابتدائی دور میں تھے، بدوی زندگی گزار رہے تھے، سیدھی معیشت تھی، اس وقت انہوں نے اس تمدن کے چیلنج کا کیسے مقابلہ کیا، حالانکہ تہذیب وتمدن کا چیلنج بڑا ہی نازک اور خطرناک ہوتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس مشکل پر مردوں اور عورتوں کے باہمی تعاون سے قابو پایا، مسلمان اپنی دعوت اپنے پیغام پر فخر کرتے ہیں، وہ یقین رکھتے تھے کہ ان کا دین کامل اور مکمل ہے اور خاتم الادیان ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت آخری نبوت ورسالت ہے، انہوں نے اللہ تعالی کا یہ فرمان سن رکھا تھا: "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" ہم نے تمہارے لیے دین کو مکمل کردیا اور اپنی نعمت تمام کردی اور تمہارے لیے مذہب کے سلسلہ میں اسلام کو پسند کیا، ان کو اس دین کی صلاحیت، قابلیت اور طاقت پر پورا بھروسہ تھا۔

قرن اول کے مسلمانوں کا ایمان ویقین:

ان کو یقین تھا کہ یہ دین زمانہ کے ساتھ دینے کے لیے نہیں بلکہ زمانہ کی باگ دوڑ سنبھالنے اور اس کی رہنمائی کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے، ان کو اپنے دین پر فخر وناز تھا، اپنی ذات پر اعتماد تھا، اپنی اخلاقی قدروں اور اپنے تمدن کو وہ عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کا ایمان تھا کہ جس دین کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے ہیں وہ محض دین ہی نہیں یا محض چند قوانین کا مجموعہ نہیں، بلکہ وہ دین بھی ہے تمدن بھی، اس میں احکام بھی ہیں اور معاشرتی نظام بھی، وہ سیف وسنان بھی، قرآن بھی، وہ مسجد ومحراب بھی ہے اور حکومت وایوان بھی، وہ اس دین کو شفا بخش دوا سمجھتے تھے اور صحت بخش دوا بھی، آج کے بہت سے مسلمانوں کی طرح ان کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ یہ تو صحیح ہے کہ اسلام بحیثیت مذہب سب سے اچھا مذہب ہے اور وہی اللہ کا آخری اور مقبول دین ہے اور اس مذہب کے علاوہ کسی مذہب میں نجات نہیں اور یہی مذہب ابدی اور دائمی ہے، لیکن تمدن ایک دوسری چیز ہے اس کا دین سے کیا تعلق، دین ایک الگ شئی ہے اور تمدن بالکل الگ شئی، دین جدا اور تہذیب جدا، اس لیے اگر ہم مغرب کی تقلید کریں اور مغربی تہذیب کو اپنائیں تو اس میں ہمارے دین وعقیدہ کے منافی کوئی بات نہیں۔

عرب کے ابتدائی بدو اس نظر سے روم وفارس کے تمدن وتہذیب کو نہیں دیکھتے تھے، وہ اس کے بارے میں کہہ سکتے تھے جو آج ہم امریکن اور یورپین تمدن کے متعلق کہہ رہے ہیں، اس وقت کی ایرانی اور رومی تہذیب وتمدن اور آج کی امریکی اور مغربی تہذیب وتمدن حتی کہ روسی تمدن میں حقیقتاً کوئی فرق نہیں، یہ سارے تمدن ایک ہیں، جن کو ہم میکانکی، مادی مصنوعی اور ظاہری تمدن سے تعبیر کرسکتے ہیں، جس طرح بہت سے مسلمان افراد اس تمدن کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ سب عقل انسانی اور تجربات کی آخری منزل ہے، تو اگر کل صحرا کے بدو اس وقت تہذیب وتمدن کو دیکھ کر کہتے تو معذور ہی سمجھے جاتے، وہ تہذیب وتمدن کی چمک دمک سے بالکل ناواقف تھے، آنکھوں کو چکا چوند کرنے والے مظاہر انہوں نے کبھی نہ دیکھے تھے، اب اگر روم کے کسی شہر، بازنطینی حکومت کے کسی شہر، یا ایرانی ساسانی مملکت کے کسی شہر میں داخل ہوکر ان کے منہ میں پانی بھر آتا، اس تمدن پر فریفتہ ہوجاتے اور کہنے لگتے، کیا کہنے اس تمدن کے، اس کاریگری کے اور اس عیش وتنعم کے کہ انسانی عقل کہاں تک پہنچ گئی اور کیسی تہذیب کو جنم دیا ہے، اگر وہ یہ کہتے تو میں انہیں معذور سمجھتا، کیونکہ وہ صحرائے عرب کا ایک بدو ہی تھا، جس کی آنکھیں ایک ترقی یافتہ ملک کے دارالسلطنت میں آکر خیرہ ہوئی جارہی تھیں اور وہ اس تمدن کے سامنے ہواس باختہ ہوگیا، لیکن تاریخ کا مطالعہ کرنے والا حیران رہ جاتا ہے اور اس کے تعجب کی کوئی انتہا نہیں رہتی ہے اور اس عجیب تجربہ کے سامنے جو انسانی تاریخ میں اپنی نوعیت کا انوکھا تجربہ تھا، اعتراف سے اس کی گردن جھک جاتی ہے، جب وہ دیکھتا ہے کہ عربی مسلمان اس تمدن سے بالکل متاثر نہیں ہوتے اور وہ

اپنی اسلامی شخصیت کے محافظ و پاسبان رہے۔

آج عالم عرب کے کسی ملک کے دارالسلطنت مثلاً امارات میں ابوظہبی یا قطر میں دوحہ کو ہی لے لیجئے وہاں ہم یہ ضروری سمجھنے لگے ہیں کہ ہمارے گھروں کا طرز تعمیر اور فرنیچر بالکل ویسے ہی ہو جیسے انگلینڈ یا امریکہ میں ہوتا ہے، ہماری تہذیب اور ان کی تہذیب میں مکمل اتفاق اور ہم آہنگی ہو، لیکن سوچئے کہ وہ عربی اور بدوی مسلمان کس طرح اپنی اسلامی شخصیت کو مضبوطی سے تھامے رہے، ایرانی اور رومی تہذیب کے آگے انہوں نے سر خم نہیں کیا، یہ تاریخ کا ایک معمہ ہے جس کو حل ہونا چاہئے، اس کو حل کرنے کے لیے غور کرنا چاہیے، یہ ایک سوال ہے جو جواب طلب ہے اور اطمینان بخش جواب چاہتا ہے۔

میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ مسلمان مرد وعورت کی خود اعتمادی کا نتیجہ تھا، ان کو اپنے دین اور خدا کے آخری پیغام کی صلاحیت اور انسان کے لیے کامل و مکمل اور رہنما دین پر مکمل بھروسہ تھا اور اسلامی شخصیت، اسلامی زندگی، جس کا نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں انہوں نے دیکھا تھا اور ان تک وہ انہیں کے واسطے سے پہنچی تھی، شرم وحیا، عفت وطہارت، حجاب، آداب معاشرت، تواضع ولینت، طہارت وپاکیزگی، اسلامی ذوق، سادگی، اسراف سے پرہیز، قناعت، آپس کا احترام واکرام، عدل وانصاف، حقوق زوجیت کا پاس ولحاظ، رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی، چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کی عزت واحترام، یہ وہ صفات وامتیازات ہیں جو مردوں کے ساتھ عورتوں کے مکمل تعاون کا نتیجہ ہیں، اس طرح وہ اسلامی تمدن، اسلامی تہذیب اور اسلامی شخصیت کی حفاظت کر سکے، مرد کارگہ حیات، مدرسوں میں، محکموں میں، عدالتوں میں اور گھر سے باہر کی دنیا میں اور خواتین گھروں میں، اس طرح وہ معاشرہ کامل ومکمل ہم آہنگ اور یک رنگ اور تعاون کے اصول پر کاربند تھا، مسلمانوں کے لیے کوئی مشکل نہیں تھی کہ وہ دنیا کے بڑے سے بڑے اور زیادہ سے زیادہ ترقی یافتہ شہر میں اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کریں، ان کے قدم انطاکیہ پہنچے، انہوں نے دمشق، حلب وحمص پر حکومت کی، قسطنطنیہ میں داخل ہوئے، سندھ کو فتح کیا، ملتان، بخارا سمرقند ان کے قدموں کی خاک بنے، دہلی ان کی پابوس ہوئی، لاہور ولکھنؤ ان کے قدموں سے مشرف ہوئے، یہ تمام شہر اپنا ایک تمدن رکھتے تھے جو بہت پرانا اور ترقی یافتہ تھا، ذوق کی لطافت سے آراستہ تھا، لیکن مسلمان جہاں جاتے تھے اپنی تہذیب اور اپنا تمدن لے کر جاتے تھے، وہ نہ صرف اپنے تمدن کی حفاظت کرتے تھے بلکہ تہذیب وتمدن کا سکہ جما دیتے تھے، بہت سے لوگ ان کی تہذیب کے گرویدہ ہو جاتے تھے اور آخر کار ان قدیم تہذیبوں کے چراغ کو گل ہونا ہی پڑتا تھا اور تابناک اسلامی تہذیب کا آفتاب روشن ہو جاتا تھا، مسلمان اندلس گئے اندلس یوروپ کا ایک قلعہ ہے، مسلمانوں نے وہاں ایک حسین تمدن کی بناڈالی اور ایک نیا طرز تعمیر ایجاد کیا جو آج بھی اندلس کے لیے باعث زینت ہے، آج بھی وہ مسجد قرطبہ، قصر حمراء اور اشبیلیہ کی مسجدوں سے بہتر کوئی چیز سیاحوں کی زیارت کے لیے پیش نہیں کر سکتے، حکومت ہندوستان اپنے ملک میں کثرت سے آثار قدیمہ کے باوجود تاج محل سے زیادہ حسین وخوش نما، جامع مسجد اور لال قلعہ سے بڑھ کر پرعظمت، پرشکوہ آثار نہیں پیش کر سکتی، مسلمان اپنی تہذیب وتمدن کو ساتھ لے کر گئے، انہوں نے وہاں اس کی آبیاری کی، اس کو اور وسعت دی اور حسین سے حسین تر بنایا، انہوں نے استفادہ بھی کیا، انہوں نے وہاں کے فن تعمیر، وہاں کی سلیقہ مندی اور طبیعت کے گداز، وہاں کے حسن وجمال کو نظر انداز نہیں کیا، بلکہ اس پر اسلامی تہذیب کا اضافہ کیا۔

مغربی تہذیب کے ساتھ ہمارا معاملہ:

لیکن افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ مغربی تہذیب کے ساتھ ہمارا وہ معاملہ نہیں جو ہمارے اسلاف کا ایرانی اور رومی تہذیب وتمدن کے ساتھ تھا، یہ ایک سوال ہے کہ موجودہ اسلامی معاشرہ، موجودہ مغربی معاشرہ کے سامنے کیوں شکست کھا گیا، یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آج کا مغربی تمدن اپنے دور کے لیے اس وقت کے

رومی اور ایرانی تمدن سے زیادہ ترقی یافتہ اور مؤثر ہے، اس وقت مسلمانوں نے اپنی تہذیب وتمدن کی بھینٹ نہیں چڑھائی، بلکہ وہ فخر وعزت سے کہتے تھے کہ ہماری تہذیب افضل ہے، ہمارا ادب ولٹریچر تم سے زیادہ قدیم، ہماری تعلیمات زیادہ بہتر ہیں، ہمارے آداب واخلاق اعلی واحسن ہیں۔

بجائے مقابلہ کے پیروی:

مغربی تہذیب کے بارے میں ہمارا موقف روم وفارس کی تہذیب کے متعلق ہمارے اسلاف کے موقف سے بالکل جداگانہ ہے، اس کا سبب اولین ہمارے ایمان کی کمزوری، خود اعتمادی کا فقدان اور خودی کا زوال ہے، ہمارے سامنے تمدن کی کوئی چیز آتی ہے تو ہم لپک پڑتے ہیں، ہم بے ساختہ بول اٹھتے ہیں کہ جدید دنیا کے اس ترقی سے ہمارے آباء واجداد واقف نہ تھے، ہماری مثال اس بچہ کی سی ہے جس کی پرورش ونشونما کسی گاؤں میں ہوئی ہو، اس کے بعد اس کو کسی بڑے شہر کے دیکھنے کا موقع ملتا ہے تو وہ ہر چیز کے بارے میں سوال کرتا ہے، پٹری پر چلنے والی ریل گاڑی، فضا میں اڑنے والے جہاز، ساری چیزیں اس کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہیں، ہمارا معاشرہ بھی ابھی سن رسید کو نہیں پہنچا، یہ بچکانہ معاشرہ ہے، حالانکہ ہم حقدار تھے کہ ان کی تہذیب وتمدن کو چیلنج کرتے اور پوری طاقت سے کہتے، اے مغربیو! ہماری شاگردی اختیار کرو، ہم سے سیکھو، طہارت ونظافت، خوش پوشاکی اور اعلی طریق زندگی، زندگی کے اصول، ہم سے معلوم کرو، ہم سے شرم وحیا اور عفت وپاکیزگی کا سبق لو، تم اگر صفائی، ستھرائی، لطافت وجمال اور ہدایت واصلاح کی زندگی گزارنا چاہتے ہو تو ہمارے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرو لیکن ہم میں یہ کہنے کی جرأت نہیں، اس لیے ہمیں اپنی ذات، اپنے دین، اپنے عقائد، اپنی خداداد صلاحیتوں اور اپنی فہم ودانائی پر اعتماد نہیں رہا، ہم بداعتمادی کا شکار ہوگئے، ہم تہذیب وتمدن اور انسانی قدروں میں غیروں کے دست نگر اور بھکاری ہو چکے ہیں، مغربی تہذیب سے مرعوبیت اور اس کی اہمیت وعظمت نے ہمیں بکریوں کے ریوڑ کی طرح ہانکنا شروع کردیا، ہمارے ہوش وحواس باختہ کردیئے، ہم پروانہ وار اس پر گرنے لگے، ہم اس طرح اس تہذیب پر بے تحاشہ ٹوٹ پڑے جس طرح پیاسا پانی پر ٹوٹ پڑتا ہے، ایک دیا تھا جس کی روشنی دیکھ کر پروانے آگئے اور اس کی لو سے ٹکرا ٹکرا کر موت کے منہ میں چلے گئے، ہم نے مغربی تہذیب کے سامنے اپنی حقیقت اور اپنی قدرت واختیار کو بھولی بسری کہانی بنادیا، اگر ہم کو فائدہ ہی اٹھانا تھا تو اس کا طریقہ یہ تھا کہ ہم اپنے مطلوب کی نفع مند اور کارآمد چیزیں اختیار کرلیتے اور "خذما صفا ودع ماکدر" کے قدیم حکیمانہ قول پر عمل کرتے ہوئے ان صاف ستھری چیزوں کو اپناتے جو ہمارے عقائد، اخلاق واقدار سے ہم آہنگ ہوتیں، ہم مغرب کی ٹکنالوجی اور سہولت وراحت کے مفید وسائل اختیار کرکے ان کو اپنے تابع، ماحول کے مطابق اس طرح بناتے کہ یہ تہذیب وتمدن ہمارے تابع ہوکر رہتا۔

اسلامی تہذیب کی حفاظت میں خواتین کا حصہ:

غیر اسلامی تہذیب وتمدن کے سلسلہ میں مسلمان خواتین کا موقف ایک روشن اور باعزت موقف تھا، اگر مسلمان خواتین کا یہ رویہ نہ رہا ہوتا تو مسلمان رہنماء امراء وحکام، سلاطین وبادشاہ اور اسلامی سپاہی کے کمانڈر، اسلامی سوسائٹی، اسلامی شخصیت اور اسلامی تہذیب وتمدن کی حفاظت نہیں کرسکتے تھے، اگر تقوی شعار، امانت دار، شریف پختہ ایمان والی خواتین، اسلامی تہذیب اور اسلامی تشخص کی حفاظت اور اس کی بقاء کے لیے مردوں کے ساتھ مکمل تعاون نہ کرتیں، اسلامی عائلی نظام کے قیام اور ایسے اسلامی گھر کی جو اسلامی تربیت کے زیر اثر پروان چڑھ رہا ہو اور جہاں پاکیزگی، محبت دامن کی فضا ہو، تعمیر میں مردوں کا ہاتھ نہ بٹاتیں، اگر خدا کی باعزت صالح اور نیک بندیاں جو اسلامی تشخص کی پاسبان ہیں، باعزت اور شریف مردوں کی مدد نہ کرتیں اور ان کو سہارا نہ دیتیں تو مسلمانوں کو اپنے اسلامی تشخص، اسلامی تہذیب وتمدن کے ساتھ باقی رہنا مشکل تھا، ان خواتین کا اسلامی تشخص کی حفاظت کے نتیجہ میں دین اپنی تہذیب وتمدن اپنی معاشرت واخلاق،

اپنے اقدار وتصورات کے ساتھ صحیح وسالم ہم تک پہنچا۔

خواتین سے آج بھی توقع ہے:

آج بھی ہمیں اسلامی سوسائٹی کے اس عظیم رکن اور جسم اسلامی کے اس مؤثر وفعال عضو سے توقع ہے کہ وہ مغربی تہذیب کا سایہ بننے کے بجائے اپنے اوپر مغربی تہذیب کا سایہ بھی نہ پڑنے دیں گی، ان کو چاہئے کہ اس مغربی تہذیب کے پیچھے دوڑنے اور اس ریس میں شریک ہونے کے بجائے اس کے ضروری اور مفید اجزاء اختیار کریں اور ہر اس چیز کو ترک کردیں جو دین، ان کی عزت وشرافت، ان کے اخلاق وآداب اور ان کی اسلامی شخصیت کے منافی ہو، ہمارے گھر اسلامی گھروں کا نمونہ ہوں، کوئی یورپین آدمی آئے اور کسی مسلمان کے گھر میں داخل ہوتو اسلامی نظم ونسق، ثقافت، حیاوعفت، شرم وحجاب، پردہ، احترام، چھوٹوں پر شفقت اور محبت واخوت کے اسلامی مظاہر دیکھے، وہ شوہر وبیوی، بھائی بہن، ماں باپ کے درمیان تعلقات کی وہ نوعیت دیکھے اور زندگی کا وہ طرز اس کے سامنے ہو، جس سے وہ بالکل ناواقف ہے، بجائے اس کے کہ ہم اسلامی تہذیب وتمدن کی نقل کرنا چاہئے وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے جاکر بتائیں کہ ہم نے ایک اسلامی ملک میں تھوڑا وقت گزارا اور جو دیکھا وہ بیان سے باہر ہے، سچ یہ ہے کہ ہم نے جنت ارضی دیکھ لی، ہم نے ایک مسلمان کا گھر کیا دیکھا، گویا جنت دیکھ لی، خدا کی قسم یہی اسلامی زندگی جنت ہے اور جو زندگی ہم گزار رہے ہیں وہ آگ کی بھٹی ہے، یہاں سے واپس ہونے والا امریکن پھر وہاں امریکنوں سے کہے گا کہ اے لوگو! تم دوزخ میں جل رہے ہو، خدا کی قسم مسلمان جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ امریکہ اور یورپ جاکر یہاں کا آدمی دیکھتا ہے کہ یہ سارے عرب ممالک ایک ایڈیشن ہیں، یہ سب ایک کتاب کا ایک ہی ایڈیشن ہیں، جس میں صفحہ، سطر، حرف سب یکساں ہیں، وہاں کا آدمی یہاں آتا ہے تو اسے مغربی تہذیب کی مکمل تصویر نظر آتی ہے، اس لیے وہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ یہ سکون، امن وامان، راحت واکرام، انس ومحبت اور قلبی اطمینان اسلامی زندگی کے خصائل ہیں۔

میں نہیں کہتا کہ آپ بجلی، کار اور دوسری تمدنی سہولیتوں سے مستغنی ہوجایئے لیکن میں کہتا ہوں کہ اعلی اقدار اور ہماری تہذیب اسلامی ہونی چاہئے اور آپ اپنی فہم ودانائی، اپنے عزم وارادہ سے، جس میں عورتیں مشہور اور اپنے ارادہ کی پکی ہوتی ہیں، صحیح سچی اسلامی زندگی کی نمائندگی کرسکتی ہیں، آپ کلیۃ البنات قطر کی معزز خواتین، ایک نئی شاہراہ قائم کرسکتی ہیں، آپ پاکستانی، انڈونیشی اور ہندوستانی عورتوں کے لیے راہ ہموار وآراستہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، کیونکہ آپ کو قیادت ورہنمائی کا مقام حاصل ہے، آپ اس اسلامی عربی شہر میں عالم انسانی اور عالم اسلامی کی قیادت کے منصب پر فائز ہیں۔

❀❀❀❀

شوگر ختم

جو لوگ شوگر کے مرض میں مبتلا ہوں وہ اب مایوس نہ ہوں، قدرت نے ہر بیماری کے ساتھ اس کا علاج بھی پیدا کیا ہے، ہمارے دیسی علاج سے شوگر کا مرض ہمیشہ کے لیے ختم ہوجاتا ہے اور دوبارہ اس کا حملہ نہیں ہوتا، شوگر کے وہ مریض جو انگریزی دوائیں کھاتے کھاتے پریشان ہوگئے ہوں اور آرام نہیں ہوتا تو وہ علاج کے لیے آج ہی ہمیں لکھیں، ملیں یا فون پر رابطہ کریں۔

مایوسی کی ضرورت نہیں

بواسیر - پتھری - پورے بدن کا درد - گھٹیا - سانس کا پھولنا
اس کے علاوہ
زنانہ ومردانہ پوشیدہ امراض کا مکمل کامیاب علاج
کمزوری چاہے کسی بھی عمر میں ہو
شادی سے پہلے یا بعد میں کھوئی ہوئی طاقت دوبارہ حاصل کریں۔

فون نمبر: 05922-250995
موبائل: 09412391643

پھول والے حکیم

محلّہ ملانہ، امروہہ، ضلع جے۔ پی۔ نگر
(یو۔ پی) 244221

اشتہار

پہلی قسط

قرآن کریم کا اعجاز
اوراس کے فنی محاسن

مولانا مفتی رحمت اللہ ندوی نیپالی، استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

قرآن کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ وجاوید معجزہ ہے، قرآن کریم نے امتوں کو زندہ کیا، مثالی واسلامی معاشرہ کو وجود بخشا اور باہم دست وگریباں نسلوں کو بے مثال مربوط وہم آہنگ کردیا، اسی کا فضل واعجاز ہے کہ اس نے عرب کے شتربانوں اور بکریاں چرانے والوں کو جہاں بانی اور حکمرانی تک پہنچادیا، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

أخوك عيسى دعا ميتا فقام له
وأنت أحييت أجيالا من العدم

آپ کے بھائی حضرت عیسی نے ایک مردہ کو پکارا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور آپ نے کئی نسلوں کو عدم سے وجود بخشا۔

مشہور عالم دین وفقیہ مفتی محمد تقی عثمانی رقمطراز ہیں:

''قرآن کریم کی حقانیت کی ایک واضح دلیل اس کا اعجاز ہے، یعنی ایک ایسا کلام ہے جس کی نظیر پیش کرنا انسانی قدرت سے باہر ہے، اسی وجہ سے اس کو سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ کہا جاتا ہے''۔ (علوم القرآن صفحہ ۲۴۸)

اعجاز کیا ہے؟ شیخ محمد علی الصابونی اپنی مشہور کتاب ''التبیان فی علوم القرآن'' میں لکھتے ہیں:

"الإعجاز في اللغة العربية هو نسبة العجزإلى الغير، قال تعالى "أعجزت أن أكون مثل هذا الغراب فأواری سوأة أخي" وتسمى المعجزة لأن البشر يعجزون عن الإتيان بمثلها لأنها أمر خارق للعادة خارج عن حدود الأسباب المعروفة وإعجاز القرآن معناه إثبات عجز البشر متفرقين ومجتمعين عن الإتيان بمثله"۔ (صفحہ ۸۹)

عربی زبان میں اعجاز کہتے ہیں عاجزی کی نسبت دوسرے کی طرف کرنا، جیسا کہ آدم علیہ السلام کے بیٹے نے کہا ''کیا میں اس کوے سے گیا گزرا اور بے بس ہوگیا کہ اپنے بھائی کی لاش دفن کرتا''، معجزہ کو معجزہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا مثل پیش کرنے سے انسان عاجز ہیں کیونکہ وہ معروف اسباب کے حدود سے خارج ہے، اعجاز القرآن کا مطلب ہے اس کا مثل پیش کرنے سے انسان کی بے بسی ثابت کرنا خواہ وہ متفرق ہوں یا اکھٹا ہوں، یادرہے کہ اعجاز کا تحقق تین امور کے پائے جانے سے ہوتا ہے۔

(۱) تحدی (چیلنج)

(۲) تحدی کی تردید کے محرک کا قائم رہنا۔

(۳) مانع کا انتفاء

اعجاز کا کیا مقصد ہے؟ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے مؤلف ''مناہل العرفان'' تحریر کرتے ہیں:

بل المقصود لازمة وهو اظهار أن هذا الكتاب حق وأن الرسول الذي جاء به رسول حق وكذلك الشأن فی كل معجزات الأنبياء ليس مقصود بها تعجيز الخلق لذات التعجيز"۔ (مناهل العرفان جلد ۲/صفحه ۳۳۱)

اعجاز کا مقصد اس بات کا اظہار ہے کہ یہ کتاب برحق ہے اور اس کا لانے والا پیغمبر رسول برحق ہے، یہی بات انبیاء کرام کے تمام معجزات میں ہے، اس کا مقصود مخلوق کو محض عاجز و بے بس کرنا نہیں ہے۔

قرآن پر انصاف کی نگاہ ڈالنے کو اس کے بہت سے مختلف وجوہ اعجاز نظر آئیں گے، ان میں چند وجوہ اعجاز حسب ذیل ہیں:

(۱) زبان و اسلوب کا اعجاز

(۲) طرز تالیف

(۳) علوم و معارف

(۴) انسانی ضروریات کا بھرپور احاطہ

(۵) کائناتی علوم کی رعایت

(۶) طریقۂ اصلاح اور طرز ہدایت

(۷) غیبی خبروں کو سمو لینا، خواہ اس کا تعلق ماضی سے ہو یا حال اور مستقبل سے، اس ضمن میں ہر غیبی خبر مستقل معجزہ ہے۔

(۸) آیات عتاب اس کی دو قسمیں ہیں: لطیف اور نرم عتاب، سخت اور کرخت عتاب، پہلے کی مثال سورۂ توبہ کی آیت "عفا اللّٰہ عنك لم أذنت لهم حتى يتبين لك الذين صدقوا و تعلم الكاذبين" ہے۔

جب کہ دوسرے نوع کی مثال "ما كان لنبي أن يكون له أسرى حتى يثخن في الارض...... ان الله غفور رحيم" ہے۔

(۹) وہ آیات جو طویل انتظار کے بعد نازل ہوئیں، اس کی دلیل ہیں کہ قرآن کلام الٰہی ہے، کلام محمد نہیں، کیونکہ اگر کلام محمد ہوتا تو اتنے طویل انتظار کی مشقت برداشت کرنے کی ضرورت نہیں تھی، اس کی مثال تحویل قبلہ، واقعۂ افک، اصحاب کہف، واقعہ ذوالقرنین اور روح کے متعلق استفسار، رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھا دینا اور اس کے لیے استغفار کرنا وغیرہ ہے۔

(۱۰) نزول وحی کے وقت زبان کو حرکت دینا اور آیات کا نسیان کے اندیشہ سے حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ دہراتے رہنا، جس کی ممانعت سورۂ قیامہ کی ان آیات "لا تحرك به لسانك لتعجل إن علينا جمعه و قرآنه ثم إن علينا بيانه" میں ہے۔

(۱۱) آیت مباہلہ "فمن حاجك فيه من بعد ماجاءك من العلم فقل تعالوا ...... فنجعل لعنة الله على الكاذبين"۔

(۱۲) خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن کا بدل لانے سے عاجز رہنا۔

(۱۳) وہ آیات جن میں نزول قرآن سے قبل آپ کے علم کی نفی کی گئی ہے، مثلاً "و أنزل اللّٰه عليك الكتاب و الحكمة و علمك مالم تكن تعلم و كان فضل الله عليك عظيما" اور "و كذلك أوحينا إليك روحاً من أمرنا، ما كنت تدري ماالكتاب و لاالايمان" اور "ما كنت ترجو أن يلقى إليك إلا رحمة من ربك" وغیرہ۔

(۱۴) قرآن کی تاثیر اور اس کی کامیابی کہ اس کا اثر یکساں طور پر اعداء و اولیاء دونوں کے دلوں پر ہوا ہے۔ (ملخص از مناہل العرفان جلد ۲ صفحہ ۳۳۲ تا ۴۱۲)

یہ قرآن کریم کے اعجاز کے واضح وجوہات اور گوشے تھے، ان کے علاوہ اعجاز کے کچھ مخفی اور دقیق گوشے بھی ہیں جنھیں قلم انداز کیا جاتا ہے۔

الغرض جن خصوصیات کی بنا پر قرآن کریم کلام معجز ہے ان کا احاطہ بشری طاقت سے باہر ہے، تاہم انسان کی محدود بصیرت کے مطابق انھیں چار عنوانات پر تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱- الفاظ کا اعجاز

۲- ترکیب کا اعجاز

۳- اسلوب کا اعجاز

۴- اور نظم کا اعجاز

ان اعجازات کا ذکر ان شاء اللہ اگلے شمارے میں بیان کیا جائے گا۔

❀❀❀❀

فکر وعمل

نکاح، نسل انسانی کی بنیاد کی پہلی اینٹ

مولانا کبیرالدین فاراںؔ مظاہری ناظم مدرسہ قادریہ مسروالا، ہماچل

دو پاکیزہ روحوں کا ملن، دوخاندانوں میں محبت ومؤدت کا مضبوط بندھن، شریف وصالح خاندان کی تشکیل، صاف وستھرا ماحول اور معاشرہ کے وجود کے لیے ''نکاح'' کو سرورکونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک سنت بتایا ہے، یہ ایک ایسی عبادت ہے جو دنیا کے بعد جنت میں بھی جاری رہے گی اور نکاح تمام انبیاء کرام کا طریقہ رہا ہے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اہمیت کے پیش نظر فرمایا ''اے نوجوانو! اگر تم نان ونفقہ (یعنی بیوی کے جملہ مصارف) پر قادر ہو تو شادی کرلو، یہ تمہاری عصمت وعفت اور پاکدامنی کا سبب بنے گی اور جو اس پر قادر نہ ہوتو وہ ''روزہ'' رکھے، اس لیے کہ وہ اس کے لیے ڈھال ہے''۔

عورت کا انتخاب:

''نکاح'' کے لیے مومنہ، صالحہ، اخلاق بیوی کا انتخاب کریں جو طاعت خداوندی میں مددگار ثابت ہو، دیندار اور حسن اخلاق ہی نکاح کی بنیاد ہے نہ کہ حسب ونسب، مال وجمال اور نفس پرستی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب تم کو دین دار اور پسندیدہ اخلاق والی عورت مل جائے تو تم جلدی شادی کرو، ورنہ روئے زمین پر زبردست فتنہ وفساد برپا ہو جائے گا۔ ؎

بسا رہا ہے ہر ایک شخص اپنی دنیا الگ
بکھر رہا ہے ہر ایک خاندان قسطوں میں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آؤ میں تم سب کو بہتر خزانہ بتاؤں جس سے آدمی کو ذخیرہ اندوز ہونا چاہئے، فرمایا وہ ''نیک بیوی'' ہے۔

ایک موقع پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نہ ہو، نہ ہی غیر کفو میں ان کی شادی کی جائے، اس حدیث کے ذیل میں فقہ کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' میں ہے کہ اگر عورت خود غیر کفو میں شادی بھی کرلے اس کے ولی کو حق تفریق ہے، خواہ نکاح پر وہ راست کیا ہو یا کوئی وکیل بنا کر؛ کیونکہ اس میں اولیاء کی بےعزتی، بےحیائی کا فروغ اور معاشرہ کے لیے تباہی ہے۔

نکاح نسل انسانی کی پہلی اینٹ:

اسلام میں ''نکاح'' کو حددرجہ سادگی اور نمائش سے پاک ماحول میں کرنے کی تاکید ہے کیونکہ نکاح نسل انسانی کی بنیاد کی پہلی اینٹ ہے، اسے جس قدر پاکیزہ اور سنت وشریعت کے مطابق انجام دیا جائیگا آئندہ نسل اس قدر صالح اور باوقار ہوگی، اس لیے نکاح کو غیر اسلامی طریقے سے اور غیروں کے طریقے سے دور رکھنا بےحد ضروری ہے مثلاً بارات جو خالص غیر اسلامی رواج ہے، اس سے مسلمانوں کو قطعی پرہیز کرنا چاہئے کہ بارات کا بلانا یا لے جانا غیر شرعی طریقہ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں بھی صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت ضروری نہیں سمجھتے تھے، دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابہ کرام کو بطور خود نکاح کی اجازت تھی، تقاریب کا اہتمام پسند نہیں کیا جاتا کہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت ضروری ہو۔

مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے کپڑے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطر کا رنگ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ یہ کیسا

رنگ ہے تو بتایا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرا نکاح ہوگیا ہے، آپ نے ولیمہ کی تاکید فرمائی اور خیر و برکت کی دعا مرحمت فرمائی، نہ صحابہ کو احساس اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہوئی، آج ہم اپنے گھر اور سماج کا جائزہ لیں تو سنت کے اتباع سے ہمارا نکاح کا طریقہ کس قدر دور نظر آتا ہے۔

حدیث پاک کی روشنی سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں بارات کا کوئی تصور نہیں، اسی طرح لڑکی والوں کو آنے والوں کی رعایت میں کھانے کا اہتمام بھی بہتر نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے کہ ''نکاح'' کا اعلان کرواور اسے مسجد میں منعقد کرو، اس روشنی میں بھی لڑکی والوں کی طرف سے کھانے کی مجلس اور اس کا اہتمام نظر نہیں آتا۔

آج کل شادیوں میں جو غیر اسلامی طریقہ رائج ہے مثلاً شادی سے قبل لڑکا لڑکی کی ملاقات، تصویر کشی اور مہندی کی رسم وغیرہ ان سے بالکلیہ پرہیز کرنا چاہئے، افسوس ہے کہ مسلم قوم امت دعوت بن کر آئی تھی لیکن آج ہر طریقہ میں غیروں کی دعوت قبول کررہی ہے۔

دعوت ولیمہ میں دیکھا گیا کہ سنت کی روح نکلتی نظر آرہی ہے، اس کا اہتمام بھی بڑے بڑے پنڈال اور منڈپوں میں کیا جاتا ہے، افسوس کہ دعوت کرنے والے بیٹھنے کا نظم نہیں کرتے، لوگ حیوانوں کی طرح کھڑے ہوکر کھانا کھاتے ہیں، جب کہ اس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لوگو! کھڑے ہوکر کھانے اور پینے کے نقصانات کا علم اگر تمہیں ہوجائے تو تم حلق میں انگلی ڈال کر الٹی کردو گے''۔

اسلام میں جھیز کاکوئی تصورنھیں:

جہیز جو ایک ناسور بن کر سماج کو ہلاکت کی طرف دھکیل رہا ہے، یہ محض ہندوانہ رسم و رواج ہے جو مسلمانوں میں سرایت کر گیا ہے، بعض لوگ جائز سمجھ کر بڑے دھوم دھام سے جہیز کے نام پر لین دین کرتے ہیں اور اس کا جواز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ضروریات زندگی کے چند سامان دئے تھے اسی کو دلیل بناتے ہیں، حالانکہ وہ لوگ شریعت سے نابلد ہیں، ان کا دعوی باطل اور غلط فہمی پر مبنی ہے، انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کا نکاح کیا تو پوچھا اے علی! تمہارے پاس کچھ سامان ہیں، تو آپ نے کہا میرے پاس ایک زرہ، ایک گھوڑا اور ایک تلوار ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زرہ فروخت کر کے ضرورت کا سامان خریدوایا تھا نہ کہ جہیز کا سامان دیا تھا، یہ اس وجہ سے کئے تھے چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کفالت کے ذمہ دار حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی طرح آپ ہی تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہیز کا اسلام میں کوئی تصور نہیں۔

تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جہیز کی رسم کو غیروں سے لیا ہے جو سراسر ناجائز اور حرام ہے، افسوس ہے کہ اس غلط رسومات میں ذی شعور اور اہل علم حضرات بھی برابر کے شریک نظر آتے ہیں اور فیشن کے اس دور میں ہر طبقے کا نوجوانوں جہیز جیسی رسم کو اپنے گلے لگاتے ہیں، انہیں چاہئے کہ اس بری رسم کو اس دیش سے ختم کریں۔

فاراںؔ یہ رسم تب ہی فنا ہوگی دیش سے
جب ہر نوجواں کہے کہ دلہن ہی جہیز ہے

دراصل آج امت مسلمہ نے آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو چھوڑ کر دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شیوہ کو اپنالیا ہے، دشمنوں کو راضی کرنے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کردیا، اپنے اخلاق چھوڑے، اپنے اعمال چھوڑے، اپنی سیرتیں چھوڑیں، اپنی صورت تک بدل ڈالی، سر سے پاؤں تک ان کی نقل اتار کر رکھ دی کہ نعوذ باللہ ہم آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں بلکہ تمہارے غلام ہیں، لیکن وہ پھر بھی خوش نہیں، روزآنہ پٹائی ہورہی ہے، کبھی اسرائیل پیٹ رہا ہے، تو کبھی یہود و نصاری پیٹ رہے ہیں لیکن ہماری آنکھیں بند ہیں۔

اس روشنی میں لازم ہے امت مسلمہ کے باشعور، مخلص، دانشور، داعی، مبلغ اور معلم حضرات سعی بلیغ فرمادیں تاکہ نکاح جو نسل انسانی کے وجود کا پہلا زینہ اور پہلی اینٹ ہے وہ درست اور صحیح ہو۔

جائزہ

پہلی قسط

زبان وادب اور اردو
منظر وپس منظر

مولانا افتخار احمد قاسمی بستی پوری استاد حدیث وتفسیر جامعہ اکل کنواں

انسان اپنی ظاہری شکل وساخت اور باطنی کیفیات وصفات کے اعتبار سے کائنات کے تمام جانداروں پر فضیلت وفوقیت کا ایک امتیازی مقام رکھتا ہے، اس کے اس تفوق وبرتری کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب اس کی زبان اور اس کا ادب ہے، مشہور ہے کہ انسان ''حیوان ناطق'' ہے، یعنی وہ اپنی زبان سے بامعنی الفاظ وکلمات کو مناسب صوت وآہنگ کا دلکش رنگ دیتا ہے اور اپنے مافی الضمیر کو معقول تعبیر کا حسین جامہ پہناتا ہے۔

یہ انسان ہی کے امتیازات میں سے ہے کہ وہ نہ صرف زبان وادب کو اپنے ذہن وفکر کی ترسیل وابلاغ کا ذریعہ بناتا ہے، بلکہ اس سے اپنے فکر وخیال کی نشو ونما اور اس کی تخلیق وترقی کا بھی کام لیتا ہے، قسم قسم کے سوالات، بھانت بھانت کی عقلی گتھیوں کا حل، نوع بہ نوع کی علمی موشگافیوں کی سلیقہ مندی اور طرح طرح کے دلائل کی کرشمہ سازی سب انسانی زبان وادب ہی کی مرہونِ منت ہے، انسان اگر اپنے اقدار کے شعور اور تہذیب وتمدن کے قیام میں دیگر حیوانات سے ممتاز ہے تو یقیناً ان سب کا انحصار زبان وادب ہی کی صلاحیت پر موقوف ہے، انسان کی یہی وہ فطری سلیقہ ہے جو روزِ اول سے کی جانے والی اس کی دماغی کاوشوں، علمی تخلیقات، مادی ایجادات اور ان سب کی تاریخ کا محض ریکارڈ ہی نہیں رکھتا؛ بلکہ انہیں ہر زمانہ کے ہر فرد کے لیے قابل فہم، قابل عمل، قابل قدر اور قابل اعتبار بناتا ہے۔

تاریخ انسانی میں جتنے بھی انقلاب آئے، خواہ وہ انفرادی انقلاب ہو یا اجتماعی، خانگی انقلاب ہو یا معاشرتی، مذہبی انقلاب ہو یا سیاسی؛ ان ساری تحریکات کا خمیر زبان وادب ہی کی خاک سے اٹھا تھا، چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ تمام پیغمبروں، مصلحوں، سیاسی لیڈروں اور انقلابیوں نے ہمیشہ زبان وادب کے سہارے اپنی تحریک کو آگے بڑھایا اور اس میں نمایاں کامیابی حاصل کی، یہی وجہ ہے کہ مذہب وانقلاب پر مشتمل آج تک جتنی بھی معتبر کتابیں پائی جاتی ہیں، وہ زبان وادب کا بہترین نمونہ سمجھی جاتی ہیں۔

فرد یا قوم کی زندگی میں اصلاح وانقلاب اور اس کی روحانیت کے احیاوبقاء کے لیے زبان وادب اتنا ہی ناگزیر ہے، جتنا کہ مادی زندگی کے لیے آب ودانہ، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم میں دعوت واصلاح کا مشن سونپا گیا تو انہوں نے رب پاک سے دعا فرمائی: ''رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَ یَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ''۔(طٰہٰ:۲۵-۲۸)

اے رب! میرے سینہ کو کھول دے اور میرے کام کو آسان بنادے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات کو سمجھیں۔

مزید اپنی لسانی معذوری کے سبب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے فصیح اللسان بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو دعوت واصلاح کے لیے انبیائی کام میں مددگار اور شریک کار بنانے کی اللہ کے حضور درخواست کی، جو قبول ہوئی، فرمایا: ''وَ اَخِیْ ھَارُوْنَ ھُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْہُ مَعِیَ رِدْاً''۔(القصص:۳۴)

اور میرا بھائی ہارون (علیہ السلام) اس کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے، سو آپ اسے میرے ساتھ مدد کو بھیجئے۔

آج پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کا سہارا لے کر ادب اور ثقافت کے نام پر انسان نما شیطانوں کی طرف سے جس قدر اخلاق سوز بے ادبی اور بے حیائی کی تبلیغ واشاعت کی جارہی ہے، وہ ہر کس وناکس پر عیاں ہوچکی ہے، لہٰذا اصلاح وانقلاب کے داعیوں کو زبان وادب کی تاثیر اور اس کی قدر وقیمت کو اچھی طرح سمجھ کر اس میں مہارت پیدا کرنے اور اس سے ہر ممکن کام لے کر دم توڑتی ہوئی انسانیت کو بچانے اور صالح انقلاب کے لیے ہر طرف فضا سازگار بنانے کی حتی المقدور جدوجہد اشد ضروری ہے۔

زبان وادب کی حقیقت اور اس کی تسخیری قوت:

زبان افکار وخیالات کی تفہیم وافہام اور مافی الضمیر کے اظہار وابلاغ کا ایک بلاواسطہ انسانی ذریعہ ہے اور ادب لغت میں خوش طبعی، تہذیب وشائستگی کا معنی رکھتا ہے اور اصطلاح میں زبان کا وہ علم ہے، جو انسان کو بول چال اور تحریر کی غلطیوں سے محفوظ رکھتا ہے اور کسی قوم کے اجتماعی احساسات، جذبات اس کی زندگی اور جدوجہد کی داخلی تاریخ کا پتہ دیتا ہے، مگر ادباء کے یہاں ادب کی امتیازی علامت یہ ہے کہ اس میں موضوع کی عظمت، الفاظ کی خوب صورت بندش، جملوں کی عمدہ ترکیب اور اسلوبِ نگارش میں جمالیاتی اظہار کا ایسا وافر سامان پایا جاتا ہو جو قاری کو محض مسرت وبصیرت ہی فراہم نہ کرتا ہو؛ بلکہ اسے اپنے فسوں کے جال میں لے کر اس پر اثر پذیری کی گہری چھاپ چھوڑ جاتا ہو، بالفاظ دیگر ادب معیارِ حسن پر الفاظ وتعبیرات کا وہ استعمال ہے جو انسانی عقل، تخیل، وجدان اور محسوسات کو اس طرح برانگیختہ کرتا ہے یا انہیں آپس میں ایسا مربوط کردیتا ہے، جس سے قاری پر عین تقاضے کے مطابق ایک خاص قسم کا مسرت انگیز اثر مرتب ہو جاتا ہے۔

فن ادب کا ماہر فن کار اپنی تخلیق میں خونِ جگر کی آمیزش سے ایسا رنگ بھر دیتا ہے اور سادہ ومعمولی باتوں میں تاثیر کا ایسا جادو جگا دیتا ہے کہ پڑھنے اور سننے والا اس کی ندرت سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، چونکہ ادب کا خمیر فکری قوت اور جمالیاتی لطافت سے تشکیل پاتا ہے، لہٰذا یہ دیگر فنون کے مقابلے میں دوہری قوتِ تسخیر کا حامل ہے اور ادب کی یہی تسخیری قوت ہے کہ بعض اوقات کسی فکر کو ادبی پیرایۂ بیان میں اس انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ اس کا مخالف بھی غیر شعوری طور پر اس فکر کا بتدریج قائل اور گرویدہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

ہندوستان میں اول دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دینے والے صوفیائے کرام ادب کی اس تسخیری قوت سے اچھی طرح واقف تھے، لہٰذا انہوں نے ہندوستان کی مقامی زبان ریختہ اردو نیز یہاں دیگر بولی جانے والی زبانوں کے ادبی اسلوب اپنا کر اپنی دعوتِ حق کو نظم ونثر کے پیرایہ میں اس طرح پیش کیا کہ یہاں کے باشندوں کے قلوب قبولِ حق پر یک لخت آمادہ ہوگئے اور آج کی باطل طاقتیں بھی زبان وادب کی اس قوتِ تاثیر سے بھرپور کام لے رہی ہیں، چنانچہ ادب اور لٹریچر (Literature) کے نام پر اپنے باطل افکار کے لیے مختلف قسم کی ادبی تحریکات کے ذریعے نوخیز نسل کے جدید ذہنوں کو مسخر اور ماؤف کیا جارہا ہے اور غیر محسوس طور پر ان کے دماغوں میں فکری الحاد اور نظری ارتداد کا زہر گھولا جارہا ہے۔

زبان وادب کے حوالے سے ''لفظ'' اور ''تعبیر'' کی طاقت ہر دور میں اپنا جادوئی اثر دکھاتی رہی ہے کبھی لفظ اور تعبیر سے پھول اور شبنم کا کام لیا گیا تو کبھی زنجیر اور شمشیر کا، اس سے کبھی کاری زخم لگایا گیا تو کبھی رِستے زخموں پر مرہم اور پھاہا رکھا گیا، لفظ سے نبیوں اور ولیوں نے بھی کام لیا اور وقت کے ابلیسوں نے بھی، معروف محقق اور نقاد پروفیسر احمد سجاد کیا خوب کہتے ہیں کہ: ''یہی الفاظ کبھی کرشن جی کی بانسری میں گیت بن کر ڈھلے ہیں، تو کبھی مہاتمابدھ کے لبوں پر شانتی کا اُپدیش بنے ہیں، یہ کبھی حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے پہاڑی وعظ میں ڈھلے ہیں تو کبھی سینٹ فرانسیس، نانک اور چشتی کی اثر آفریں دعاؤں میں ابھرے ہیں اور یہی الفاظ مسخ ہوکر مسولینی، اسٹالن اور ہٹلر کی زبانوں سے موت، نفرت، ظلم وستم کے زہر اُگلنے والے سانپ بھی بنے

ہیں، کسی شاعر نے سچ کہا ہے کہ ؎

لفظ ہی پھول بھی ہے، لفظ ہی زنجیر بھی ہے
لفظ ہی زخم بھی ہے، لفظ ہی شمشیر بھی ہے
لفظ ہی خواب بھی ہے، خواب کی تعبیر بھی ہے
لفظ میں نور رسمو دیں تو ستارہ بن جائے
دل جو رکھ دیں تو لب ناز کا بوسہ بن جائے
اور بارود جو بھر دیں تو دھماکہ بن جائے
لفظ کو پھر بھی نہ مجرم نہ خطا کار کہو
لفظ سے کھیلنے والوں کو گنہگار کہو

تعمیری ادب اور تخریبی ادب:

زبان وادب الفاظ وتعبیرات کے استعمال کا ایک دوطرفہ کھیل ہے، جس میں زندگی سے متعلق دوتعبیروں میں سے کسی ایک کا مثبت یامنفی مظاہرہ ہوتا ہے، ایک تعبیر روحانی ہے اور دوسری مادی۔

مادی تعبیر کے لحاظ سے ادب الفاظ وتعبیرات کی ایک ٹریجڈی (Tragedy) ہے، جو'' ادبی فیشن'' کے مترادف اور بے ادبی کا شاخسانہ ہے، یہی ادب تخریبی ادب کا مصداق ہے، جس میں ادیب کا دامن ذاتی فاسد افکار اور بے ہودہ فلسفہ طرازی سے الجھا رہتا ہے اور ادب کی زمین پر بے بصیرتی وبے ضمیری کا ایسا سیلاب اُمڈ آتا ہے جو تمام اعلیٰ اخلاقی قدروں کو تہہ وبالا کر کے رکھ دیتا ہے اور پھر ادب کی معنویت تحلیل ہوکر بے مقصدیت وبے سمتی تک اور اس کی روح مسخ ہوکر بے ہودگی وخرافات گوئی تک پہنچ جاتی ہے۔

ایسے ہی مادہ پرستانہ ادب کی بے معنویت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے مغرب کا ایک بڑا دانش ور اور فن کار'' ٹی، ایس ایلیٹ'' کہتا ہے کہ ہوش مندی کے انقطاع کا ایسا سلسلہ شروع ہوگیا، جس کی ہم کبھی اصلاح نہ کر سکے اور'' روزِموں'' کا مشہور قول ہے کہ وحشت وبربریت کامیاب ہوگئی ہے اور ہماری فطرت کے درندہ صفت عناصر نے اپنا نقطۂ نظر ہم سے منوالیا ہے اور ایسے ہی لایعنی ومادی تعبیر کے دلدادہ ادیبوں پر صدیوں پہلے قرآن کی نازل شدہ یہ آیت چسپاں ہوتی ہے، جس میں وعید ہی وعید اور تنبیہ ہی تنبیہ ہے، قرآن کہتا ہے:'' وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡتَرِیۡ لَهۡوَ الۡحَدِیۡثِ لِیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَ یَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ ''۔(سورہ لقمٰن:۶)

اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو بے ہودہ بات خرید لاتے ہیں، تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکادیں بغیر علم کے اور اسے مذاق بنا لیں؛ یہی ہیں جن کے لیے اہانت آمیز عذاب ہے۔

مادی ادب یا تخریبی ادب دراصل الفاظ کے توڑ پھوڑ کی'' ادبی دہشت گردی'' ہے، جس میں خودغرضی وخود پرستی، نمائش وخود نمائی، منافقت ودورخی، مرعوبیت ومصلحت پسندی جیسی لعنتوں کا جال پھیلا ہوتا ہے اور ادیب اخلاص واخلاق، وسعت ظرفی ووسیع النظری، راست بازی، انکساری، ایمانداری اور دیانت داری جیسی اعلیٰ اقدار سے یکسر محروم نظر آتا ہے۔

زندگی کی دوسری تعبیر روحانی تعبیر ہے، جو مادی تعبیر کے برعکس اخلاقی بلندی اور روحانی عروج کا عکاس ہوتی ہے، اس لحاظ سے ادیب جو ادیب بعد میں اور انسان پہلے ہے، وہ انسانیت کے ناطے اپنے صالح جذبات اور جمالیاتی عناصر سے معمور ہوتا ہے ،لہٰذا وہ الفاظ وتعبیرات کو جذباتی حسن، اخلاقی صداقت اور شعور وآگہی کے خیر کا مظہر بنا کر ادب کے توسط سے انسانی ہمدردی کے آفاق کو وسیع سے وسیع تر کرتا ہے اور اپنے بابصیرت مخلوق ہونے کا ثبوت دیتا ہے، ایسے ہی صاحبِ بصیرت ادیب کا پیش کردہ ادب تعمیری ادب، اخلاقی ادب یاصالح ادب کہلاتا ہے؛ جو آفاقی اور مثبت قدروں کا امین ہوتا ہے اور جس کی اساس اس راست تصور پر قائم ہوتی ہے کہ حیات وکائنات کا یہ پورا کارخانہ کسی قادر مطلق خالق کی انتہائی منظّم اور ٹھوس اسکیم کے تحت معرضِ وجود میں آیا ہے اور ہمیں اپنی تعمیری کدوکاوش یا تخریبی کارناموں کے لیے اس کے آگے ایک دن جواب دہ ہونا پڑے گا، مشہور مغربی دانشور'' اَربن'' (Urban) اپنی معرکۃ الآراء تصنیف

''زبان اور حقیقت'' (Language and Reality) میں اس نتیجہ تک پہنچتا ہے کہ تمام کائنات میں انسان کی وجہِ امتیاز یہ ہے کہ وہ اقدار کا نہ صرف شعور رکھتا ہے، بلکہ انہیں قائم ودائم رکھنے کا بھی اسے بھرپور سلیقہ ہے۔

تعمیری ادب درحقیقت اسلامی ادب ہے، جس میں اسلامی تعلیمات سے عطر کشید کر کے فکر و خیال کو معطر کیا جاتا ہے اور احساس وشعور پر بصیرت کے دریچے کھول کر انسانیت کو حیات تازہ اور آفاقیت سے ہمکنار کیا جاتا ہے، چوں کہ تعمیری ادب کی غایت ومقصدیت صحیح اور صالح اقدار کی افزائش ہوتی ہے، لہٰذا ادیب کی فکر ونظر کا پیمانہ ذہنی ارتفاع، روحانی عظمت اور باطنی بصیرت سے لبریز ہونا چاہیے، تاکہ وہ کم ظرفی وکورنگاہی کے جراثیم سے محفوظ رہ کر روحانی پاکیزگی، فکری بالیدگی، انسانی بھلائی وترقی، ایثار وبہی خواہی کا آئیڈیل اور محبت واخوت، آزادی وامن وآشتی کا پیامبر ہو اور اس کا ادب معنویت کی نئی تہوں کو کھولنے والا، نیا حوصلہ وولولہ عطا کرنے والا، ایمان ویقین سے سرفراز کرنے والا، جذبات کی تطہیر، اقدار کی تشکیل اور اعلیٰ اخلاق کے فروغ کا باعث بن کر مایوسی میں امید کی کرن ثابت ہو۔

اردو زبان اور اس کا تدریجی ارتقا:

''اردو'' ترکی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی لشکر کے ہیں، قدرت کا تخلیقی کرشمہ ہے کہ مختلف اضداد واجناس کے ملاپ سے کسی نئی شئ کا وجود ہوتا ہے، اسی طرح اردو مختلف زبانوں اور بولیوں سے مل کر وجود میں آنے والی ایک نئی زبان ہے؛ گویا یہ مختلف زبانوں اور بولیوں کا لشکر ہے، یا چونکہ اس کی آفرینش وافزائش لشکر کے درمیان ہوئی ہے، اس لیے یہ زبان ''اردو'' بمعنی لشکر کے نام سے جانی جاتی ہے۔

کائنات میں جیسے جیسے حیات کا ارتقا ہوتا رہا، ویسے ویسے انسانی ارتقا کی تاریخ بنتی رہی، زبان کا ارتقا بھی ایک تہذیب کی تاریخ کا زریں باب ہے، انسانی تہذیب میں اس کی بولتی ہوئی زبان حیوان کی گنگ زبان سے اس کو امتیاز دیتی ہے اور اس کے شعور کی واضح علامت ہوتی ہے، انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے دکھ درد، خوشی وغم، خیال، احساس، جذبہ اور فکر وتجربہ کا اظہار چاہتا ہے، جس سے اس کی زندگی میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے ہیں اور اسے زندگی کے بامقصد وبامعنی ہونے کا احساس ہوتا ہے، انسان کی یہ فطرت اور اس کا یہ احساس زبان کا مرہونِ احسان ہے، انسانی معاشرت شروع ہو کر جیسے جیسے ترقی کی راہیں طے کرتی جاتی ہے، ساتھ ساتھ اس کی زبان بھی ارتقائی منزلیں طے کرتی ہوئی انسانی تہذیب کا مستقل ادارہ بن جاتی ہے، ڈاکٹر جمیل جالبی کہتے ہیں:

''انسانی شعور اسے نکھارتا ہے، خیالات وفکر کا نظام اسے روشنی دیتا ہے، زندگی کے مختلف عوامل اور تجربے اسے بناتے سنوارتے ہیں، ہر چھوٹی بڑی، اعلیٰ اور ادنی چیز یا تصور، تجربہ یا احساس، زبان کا لباس پہن کر ''فہم'' کی شکل میں سامنے آجاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ زبان نہ کوئی فرد ایجاد کرسکتا ہے اور نہ اسے فنا کیا جاسکتا ہے، مختلف تہذیبی عوامل، رنگا رنگ قدرتی عناصر، مسلسل میل جول اور رسوم معاشرت گھل مل کر رفتہ رفتہ صدیوں میں جا کر کسی زبان کے خدوخال اجاگر کرتے ہیں، اسی لیے دنیا کی ہر زبان میں لسانی عمل اور ادب کی تخلیق کے درمیان وقت کا ایک طویل فاصلہ ہوتا ہے، بولی صدیوں میں جا کر زبان بنتی، اپنی شکل بناتی اور خدوخال اُجاگر کرتی ہے، لسانی ارتقا کی تاریخ جب ایک ایسی منزل پر پہونچ جاتی ہے جہاں محسوس کرنے والا انسان، سوچنے والا ذہن اور اپنے مافی الضمیر کو دوسروں تک پہنچانے والے افراد اس زبان میں اپنی صلاحیتوں کے اظہار کی سہولت پاتے ہیں تو ادب کی تخلیق اپنا سر نکالتی ہے۔

اردو زبان وادب کے ساتھ بھی دنیا کی دوسری زبانوں کی طرح یہی عمل ہوا، صدیوں یہ زبان سر جھاڑ منہ پھاڑ گلی کوچوں میں آوارہ اور بازار ہاٹ میں پریشاں حال ماری ماری پھرتی رہی، کبھی اقتدار کی قوت نے اسے دبایا، کبھی اہل نظر نے حقیر جان کر اسے منھ نہ لگایا اور کبھی تہذیبی دھاروں نے اسے مغلوب کردیا، یہ عوام کی زبان تھی، عوام کے

پاس رہی، مسلمان جب برّصغیر ہندو پاک میں داخل ہوئے تو عربی، فارسی اور ترکی بولتے آئے اور جب ان کا اقتدار قائم ہوا تو فارسی سرکاری زبان ٹھہری، تاریخ شاہد ہے کہ حاکم قومیں اپنی زبان اور اپنا کلچر ساتھ لاتی ہیں اور محکوم قومیں، جن کی تہذیبی و تخلیقی قوتیں مردہ ہوجاتی ہیں اس زبان اور کلچر سے اپنی زندگی میں نئے معنی پیدا کرکے نئے شعور اور احساس کو جنم دیتی ہیں۔

مسلمانوں کا کلچر ایک فاتح قوم کا کلچر تھا، جس میں زندگی کی وسعتوں کو اپنے اندر سمیٹنے کی پوری قوت اور لپک موجود تھی، اس کلچر نے جب ہندوستان کے کلچر کو نئے انداز سکھائے اور یہاں کی بولیوں پر اثر ڈالا تو ان بولیوں میں سے ایک نے جو پہلے سے اپنے اندر جذب و قبول کی بے پناہ صلاحیت رکھتی تھی اور مختلف بولیوں کے مزاج کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھی وہ بڑھ کر اس نئے کلچر کو سینے سے لگایا اور تیزی سے ایک مشترک بولی بن کر نمایاں ہونے لگی، دیکھتے ہی دیکھتے اس بولی نے اس کلچر کے ذخیرۂ الفاظ کو اپنا لیا اور اس کے طرزِ احساس اور نظامِ خیال سے ایک نیا رنگ روپ حاصل کرلیا اور اس طرح وقت کے تہذیبی، معاشرتی و لسانی تقاضوں کے سہارے مسلمانوں اور برِعظیم کے باشندوں کے درمیان مشترک اظہار و ابلاغ کا ذریعہ بن گئی، زبان کا بیج جاندار تھا، زمین زرخیز تھی؛ نئے کلچر کی کھاد نے ایسا اثر کیا کہ تیزی سے کونپلیں پھوٹنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ ایک تناور درخت بن گیا''۔

اردو زبان کی نشوونما، ایک تاریخی جائزہ:

اردو زبان کی نشوونما ایک طویل تاریخ رکھتی ہے، جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بتایا گیا کہ اس زبان کا رشتہ مسلمانوں کے کلچر سے جڑا ہوا ہے، چنانچہ مسلمان جہاں جہاں گئے، یہ زبان وہاں وہاں پہنچی اور علاقائی اثرات کو جذب کرکے اپنی شکل بناتی گئی، اس میں نئے نئے الفاظ اور نئے نئے خیالات سماتے گئے اور اس کے خدوخال کو نکھار اور احساس و شعور کو سلیقہ ملتا گیا، گویا یہ زبان مختلف تدریجی مراحل سے گذر کر نشوونما پائی اور لسانی و تہذیبی امتزاج کے فطری عمل سے پروان چڑھی، ڈاکٹر جمیل جالبی اس کی نشوونما کا تاریخی جائزہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس کا ایک ہیولیٰ سندھ و ملتان میں تیار ہوا، پھر یہ لسانی عمل سرحد و پنجاب میں ہوا، جہاں سے تقریباً دو صدی بعد یہ دہلی پہنچا اور وہاں کی زبانوں کو جذب کرکے اور ان میں جذب ہوکر سارے برّصغیر میں پھیل گیا، گجرات میں یہ زبان ''گجری'' کہلائی، دکن میں اسے ''دکنی'' کے نام سے پکارا گیا، کسی نے اسے ''زبان ہندوستاں'' کہا کہ یہ ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی تھی، کسی نے اسے ''ہندی'' یا ''ہندوی'' کہا، کسی نے اسے ''لاہوری'' یا ''دہلوی'' کے نام سے موسوم کیا، اسی حساب سے کسی نے اس کا رشتہ ناتا برج بھاشا سے جوڑا، کسی نے اسے کھڑی بولی سے ملایا، کسی نے اسے ''زبانِ پنجاب'' کہا، کسی نے سندھی سرائیکی کے علاقے کو اس کا مولد بتایا، غرضیکہ مختلف زبانوں سے اس کا یہ تعلق اور مختلف زبانوں کے علاقوں کا اس زبان پر دعویٰ اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے سب سے فیض اٹھا کر اپنے وجود کو انفرادیت بخشی ہے، اسی لیے یہ زبان برّصغیر کی سب زبانوں کی زبان ہے''۔

اردو زبان کی تاریخی کہانی یہ ہے کہ ہندوستان میں آریہ قوم تقریباً ۱۵۰۰ قبل مسیح سے آنا شروع ہوئی اور ۱۰۰۰ء قبل مسیح تک شمالی ہندوستان میں پنجاب سے بنگال تک پھیل گئی، ہندوستان میں پہلے سے مختلف علاقوں میں مختلف مقامی بولیاں رائج تھیں، آریہ قوم جب تک محدود علاقے میں رہی، ان کی زبان اپنی جگہ قائم رہی؛ مگر جیسے جیسے وہ پھیلنے لگی، ان کی زبان میں فرق آتا گیا اور دوسری زبانوں کے میل جول سے تلفظ و الفاظ میں رد و بدل ہوتا گیا، یہاں تک کہ ان کی زبان کی مرکزی حیثیت بہت حد تک ختم ہوگئی، پھر ۶۰۰ء قبل مسیح میں مختلف زبان سے ہر جگہ استعمال کئے جانے والے الفاظ کا انتخاب کرکے ایک منظّم زبان کی تشکیل کی گئی، جو بعد میں بن سنور کر نکھر کر ''سنسکرت زبان'' کہلائی، شروع میں یہ زبان ترقی کی اور اس کو بڑا عروج حاصل

ہوا، مگر رفتہ رفتہ اس میں اتنی زیادہ ادبیت آتی گئی کہ یہ عوام سے جدا ہو کر خواص کی زبان بن کر رہ گئی۔

ہندوستانی عوام کی زبان شروع ہی سے ایک مخلوط زبان تھی، اگر چہ مختلف خطوں میں مختلف مقامی بولیاں بولی جاتی تھیں، تاہم ان میں بہت معمولی فرق ہوتا تھا، ان زبانوں اور بولیوں کو ''پراکرت'' کہا جاتا تھا اور اس پراکرت کی ادبی شکل کا نام ''پالی'' تھا، جسے بدھ مذہب کے ہاتھوں بڑا فروغ حاصل ہوا، مگر اس میں بھی سنسکرت کی طرح رفتہ رفتہ ادبی پہلو غالب آتا گیا اور عوام اس کے استعمال سے بھی گریز کرنے لگی اور پھر عوامی ضرورت وصلاحیت کے تحت ملی جلی زبان کو ایک خاص رنگ دے کر ایک نئی اور آسان زبان کا استعمال شروع ہوا، جسے اہل زبان وادب نے حقارت سے ''اپ بھرنش'' کا نام رکھ دیا، جس کے معنی بگڑی زبان کے ہیں، مگر چوں کہ اس زبان میں انسانی زندگی اور تہذیب وتمدن کے آثار پائے جاتے تھے، لہٰذا دھیرے دھیرے مہذب اور تعلیم یافتہ طبقہ بھی اس کی طرف مائل ہونا شروع ہوا اور راجپوتوں کے سیاسی زمانۂ اقتدار میں یہ زبان اس قدر ترقی کر گئی کہ ۸۰۰ء سے لے کر ۱۰۰۰ء تک تمام شمالی ہندوستان کی ادبی زبان بن گئی اور آج کی موجودہ اردو زبان اسی ''اپ بھرنش'' زبان کی کوکھ سے جنم لی ہے۔

۷۱۲ء میں محمد بن قاسم نے سندھ وملتان کو فتح کیا، اس وقت وہاں کئی زبانوں سے ملی جلی ایک کھچڑی زبان بولی جاتی تھی، محمد بن قاسم کے لشکر میں عربی وفارسی زبان بولنے والے لوگ شامل تھے، لہٰذا وہاں عربی وفارسی کے الفاظ استعمال ہونے لگے، محمد بن قاسم کے حملے کے تقریباً تین سو سال بعد ۱۰۰۱ء میں ہندوستان پر محمود غزنوی کا حملہ ہوا اور اس سے تقریباً پانچ سو سال بعد بابر کا حملہ ہوا اور اس طرح ہندوستانی تہذیب میں اسلامی تہذیب کی شمولیت ہونے لگی اور مختلف تہذیبوں کے ملاپ سے ہندوستانی زبان کے ساتھ بیرونی زبان کے الفاظ کی ردوبدل ہونا شروع ہوئی، عربی وفارسی کے الفاظ ہندوستانی زبانوں میں اور ہندوستانی زبانوں کے الفاظ عربی وفارسی زبان میں بڑی تیزی سے شامل ہونے لگے اور چوں کہ مشترک کلچر کے لیے رابطے کی ایک مشترک زبان بنیادی شرط ہوتی ہے اور اردو زبان میں اس کی پوری صلاحیت موجود تھی، لہٰذا جب اس کا وجود ہوا تو اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جانے لگا اور اس میں عربی وفارسی کے الفاظ کثرت سے داخل ہونے لگے جس سے اس نئی زبان کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا گیا، ڈاکٹر جمیل جالبی کہتے ہیں:

''اور جب اس پر ''عربی ایرانی'' تہذیب اور زبانوں نے اپنا سایہ ڈالا، نئے لہجے اور تلفظ اس میں شامل ہوئے، نئی آوازوں نے اس زبان کے سوتے ہوئے تاروں کو چھیڑا تو اس کے اندر ایک ایسا عمل امتزاج شروع ہوا جس نے اس میں سڈول پن پیدا کر کے نرمی، شائستگی اور قوتِ اظہار کو بڑھا دیا، رفتہ رفتہ یہ زبان نئے لفظوں کی مدد سے اپنا رنگ روپ اور چولا بدلنے لگی، بے ڈول، اَن گھڑ، ثقیل اور قدیم آوازوں والے الفاظ خود بخود خارج ہوتے گئے اور نئی تہذیبی ومعاشرتی ضرورتوں کو پورا کرنے والے الفاظ داخل ہوتے گئے''۔

۱۲۹۷ء میں علاؤالدین خلجی نے گجرات فتح کیا، جو تقریباً سو سال تک دہلی کی سلطنت میں شامل رہا، اس کے بعد ۱۳۱۰ھ میں دکن اور مالوہ پر فوج کشی کرا کر انہیں بھی فتح کرلیا اور پھر ان مفتوحہ علاقوں کے انتظام وانصرام کو بہتر ومؤثر بنانے کے لیے گجرات سے لے کر دکن تک مختلف انتظامی حلقے بنادیئے اور ہر حلقہ پر ایک ترک افسر مقرر کردیا، جس کے نتیجے میں بے شمار ترک خاندان اپنے متوسلین کے ساتھ گجرات، دکن اور مالوہ کے طول وعرض میں آباد ہوگئے جنہوں نے معاملاتِ زندگی طے کرتے ہوئے سیاسی ومعاشرتی تقاضوں کے تحت اپنے ساتھ لائی ہوئی زبان میں ان علاقوں کی مقامی زبانوں اور عربی، فارسی وترکی کے الفاظ شامل کر کے اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنا شروع کیا اور اس طرح نئے ماحول میں اس زبان کو قابل قبول بنادیا۔

اردو زبان عوام کی آغوش میں آنکھیں کھولیں، عوام کے ہاتھوں پروان چڑھی اور ہندوستان کی مختلف مروجہ زبانوں کو سمیٹ کر اپنے لیے ایک نیا خاکہ تیار کرتی رہی اور اپنی خصوصیت وانفرادیت کی وجہ سے برابر

ترقی کی طرف بڑھتی رہی، یہاں تک کہ جب بابر ہندوستان آیا تو یہ اپنی ایک خاص امتیازی صورت اختیار کر چکی تھی، اسی طرح یہ اپنے امتیاز وانفرادیت کے ساتھ آگے بڑھتی رہی اور شاہ جہاں کے دورِ اقتدار میں اس کا عروج اتنا ہوا اور اس کا زور اتنا بڑھا کہ شاہ جہاں کی نسبت سے اس کی ایک پہچان بن گئی اور اسے ''شاہ جہانی اردو'' کہا جانے لگا اور سب سے زیادہ اورنگ زیب کے زمانے میں اس زبان کو اس کے شایانِ شان اہمیت دی گئی اور اسے شاہی دربار میں ایک مقام حاصل ہوا، جس کی وجہ سے اس کو ''اردوئے شاہی'' کے نام سے بھی یاد کیا جانے لگا۔

ہندوستان کی سرزمین پر مسلم بادشاہوں کی آمد اور مسلم اقوام کے پھیلاؤ سے یہاں زندگی کی گہما گہمی اور تہذیب کی ہماہمی کا آغاز ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اردو زبان وادب کی تشکیل وترویج کا لسانی عمل شروع ہوتا ہے، جس کی ابتدا سندھ وملتان سے ہوتی ہے اور پھر یہ پھیل کر سرحد، پنجاب، دہلی اور دکن تک پہنچ جاتا ہے اور قطب الدین ایبک سے ابراہیم لودھی کے زمانے تک اس کے اثرات اتنے واضح ہوجاتے ہیں کہ یہ زبان ایک نئے سانچے میں ڈھل کر اپنا ایک مستقل رنگ روپ ڈھار لیتی ہے اور ایک مشترک بین الاقوامی زبان کی حیثیت سے اپنا آپ منوالیتی ہے، اردو زبان وادب کے تاریخ نویس شمس اللہ قادری کہتے ہیں:

''سلطان محمد تغلق کے زمانے میں یہ جدید زبان عام طور پر بولی جاتی تھی اور وہ مسلمان جو ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے یا جنہوں نے عرصۂ دراز سے یہاں بود وباش اختیار کر لی تھی، اسی زبان میں بات چیت کرتے تھے''۔

گیارھویں صدی عیسوی سے لے کر سولہویں صدی عیسوی تک ہماری اردو زبان مسلمانوں کے ساتھ ساتھ برِّصغیر کے دور دراز گوشوں تک پہنچ کر سارے علاقوں کے لیے ایک واحد مشترک بین الاقوامی زبان بن چکی تھی، حافظ محمود شیرانی فرماتے ہیں:

''مسلمان اقوام نے ہندوستان میں اپنے لیے ایک زبان مخصوص کر لی ہے اور جوں جوں ان کے مقبوضات فتوحات کے ذریعے سے وسیع تر ہوتے جاتے ہیں، یہ زبان بھی ان کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں پھیلتی جاتی ہے''۔

اردو زبان کی ترویج واشاعت میں لشکروں اور فوجیوں کا بھی بہت کچھ حصہ رہا ہے، کیونکہ شاہی لشکر اپنے مہم کے لیے جن جن علاقوں میں جاتے رہے، ان کے ساتھ وہاں کے گوشے گوشے میں یہ زبان پہنچتی اور پھیلتی رہی اور اس طرح اس کی شہرت ومقبولیت میں اضافہ ہوتا رہا۔

بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کے تعاون سے بھی اس زبان کو بڑا فروغ ملا، کیونکہ ان بزرگوں نے دین واخلاق کی تبلیغ کے لیے اس زبان کو خوب خوب استعمال فرمایا، قوالی، سماع، شاعری، درسِ اخلاق اور خیالات کی اشاعت میں اس زبان سے خوب خوب کام لیا، جس سے اس زبان کو سند اعتبار حاصل ہوئی اور اس کی عظمت ورفعت کو چار چاند لگ گئے۔

مذکورہ بالا تاریخی واقعات وعوامل نے مل کر اردو زبان کے لیے ایسی سازگار فضا اور موافق ماحول پیدا کر دی، جس میں یہ زبان پلی بڑھی، پھولی پھلی، نشو ونما پائی اور تیزی سے ترقی کے زینے طے کرتی ہوئی شہرت کے بامِ عروج کو پہنچ گئی، عام معاملاتِ زندگی اور شاہی دربار کے مختلف طبقوں کے درمیان وسیلۂ اظہار بنی اور شمال سے لے کر دکن و گجرات تک اور کوہِ ہمالیہ سے لے کر راس کماری تک بولی اور سمجھی جانے لگی اور آج ہمارے درمیان یہ زبان ''عربی ایرانی ہندی'' ان تینوں تہذیبوں کا سنگم اور ان کی منفرد علامت کے طور پر سکۂ رائج الوقت بنی ہوئی ہے۔ (جاری)

❁❁❁❁❁

گذشتہ شمارہ میں ''مشرقی وسطی ایک دردانگیز افسانہ'' جو کہ عارف راجستھانی کے نام سے شائع ہوگیا تھا، لیکن یہ مضمون مولانا فتح محمد صاحب ندوی کا تھا، قارئین اس کی تصحیح فرمالیں، ادارہ اس کے لیے معذرت خواں ہے۔ (ادارہ)

مسائل فقہ

بارہویں قسط

امامت کے مسائل اور احکام

محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی

امام اور مقتدی کے مقام کا بیان:

جب امام کے علاوہ تین آدمی ہوں تو امام ان سے آگے کھڑا ہو گا، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور اس پر امت کا عمل بھی ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''میری دادی حضرت ملیکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھڑے ہو جاؤ، میں تم لوگوں کو نماز پڑھاؤں گا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور یتیم کو اپنے پیچھے کھڑا کیا اور میری ماں ام سلیم رضی اللہ عنہا کو ہمارے پیچھے کھڑا کیا'' اس لیے امام کے لیے مناسب ہے کہ اس طرح کھڑا ہو کہ دوسروں سے ممتاز ہو، اور آنے والے شخص کے لیے مشتبہ نہ ہو، تا کہ اس کے لیے اقتداء ممکن ہو، اور یہ صورت امام کے آگے بڑھنے سے ہی ہو سکتی ہے۔

اگر امام لوگوں کے درمیان یا صف کے دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہو تو جائز ہے، لیکن گناہ ہے، چونکہ جواز کا تعلق ارکان سے ہے، اور ارکان کی ادائیگی ہو رہی ہے اور گناہ سنت متواترہ چھوڑنے کی وجہ سے ہے اور امام ایسی حالت میں ہے کہ آنے والے کے لیے اقتداء ممکن نہیں ہے، بلکہ یہ تو اقتداء کے فساد کا پیش خیمہ ہے، اسی طرح جب امام کے علاوہ دو شخص ہوں تو امام آگے کھڑا ہو، یہی ''ظاہر الروایۃ'' میں ہے، امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ امام ان کے درمیان میں کھڑا ہو گا، اس لیے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت علقمہ اور حضرت اسود کی امامت کی تھی، اور ان کے درمیان میں کھڑے ہوئے تھے اور فرمایا تھا کہ ''اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ کیا تھا''۔ (مسلم)

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ اور یتیم کو نماز پڑھائی تھی، اور ان کو اپنے پیچھے کھڑا کیا تھا، اور یہی مسلک حضرت علی اور حضرت ابن عمر کا ہے، اور مذکورہ بالا حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح ہمارے ساتھ کیا تھا، یہ ان کی طرف سے زیادتی ہے، ورنہ عام روایات میں یہ منقول نہیں ہے، چنانچہ یہ ثابت نہیں، رہا یہ عمل تو یہ جگہ کے تنگ ہونے پر محمول ہو گا اور اسی طرح حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا جو عبداللہ بن مسعود کے مسلک اور حالات کو اچھی طرح جاننے والے ہیں، اگر زیادتی ثابت ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگ جگہ ہونے کی وجہ سے ایسا کیا تھا، اس بنا پر اگر حدیثیں آپس میں متعارض ہوں تو معقول کو اختیار کیا جائے گا جس کی وجہ سے امام آگے بڑھتا ہے اور وہ وجہ ہم نے بیان کر دی ہے کہ امام کی حالت لوگوں پر مشتبہ نہ رہے اور اس کی اقتداء ممکن ہو اور یہ بات ہمارے متدل میں موجود ہے باوجود اس کے اگر امام ان کے درمیان کھڑا ہو تو بھی مکروہ نہیں ہے، کیونکہ اس سلسلہ کی روایت موجود ہے اور تاویل کا تعلق اجتہاد سے ہے، اگر امام کے ساتھ ایک آدمی ہو یا ایک عقلمند بچہ ہو تو امام کے دائیں جانب کھڑا ہو گا؛ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رات اپنی خالہ میمونہؓ کے یہاں گزاری تا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز

دیکھ سکوں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے، اور آپ نے فرمایا"نامت النجوم وغارت العیون وبقی الحی القیوم" آنکھیں سوچکی ہیں اور ستارے چھپ چکے ہیں لیکن اللہ کی حی وقیوم ذات باقی ہے، پھر آل عمران کی آخری آیتیں پڑھیں "ان فی خلق السموٰات والارض الآیۃ" پھر فضا میں معلق مشکیزہ کے پاس گئے اور وضو کیا اور نماز شروع کی، تو میں نے بھی وضو کرلیا اور آپ کے بائیں جانب کھڑا ہوگیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کان کو پکڑا اور ایک روایت کے مطابق میرے بالوں کے پکڑ کر اپنے سے پیچھے کرتے ہوئے اپنے دائیں جانب کھڑا کیا، پھر میں اپنی جگہ آ گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پھر سہ بارہ ایسا ہی کیا، تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا اے لڑکے! جس جگہ میں نے تمہیں کھڑا کیا، وہاں کھڑے ہونے سے تمہیں کیا چیز مانع تھی، تو میں نے جواب دیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ آپ کے برابر کھڑا ہو، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، یا اللہ! اس لڑکے کو دین میں فہم وبصیرت عطا فرما اور اس کو تاویل سکھا۔ (مسند احمد صفحہ ۲۶۶ رجلد ۱)

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابن عباس کو دائیں جانب کھڑا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بہتر ہے کہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہوا جائے، جب امام کے علاوہ ایک ہی شخص ہو، اسی طرح حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب کھڑے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے دائیں جانب کھڑا کیا۔ (مجمع الزوائد صفحہ ۱۷۹ رجلد ۱)

''ظاہر الروایۃ'' میں ہے کہ جب دائیں جانب کھڑا ہو تو امام سے پیچھے نہ رہے، اور امام محمد سے مروی ہے کہ مناسب ہے کہ اس کی انگلیاں امام کی ایڑیوں کے پاس رہیں اور یہی عوام الناس میں رائج ہے، اور اگر مقتدی امام سے لمبا ہو، اور اس کے سجدے امام سے آگے ہوں، تو کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ کھڑے ہونے کی جگہ کا اعتبار ہے، سجدے کی جگہ کا اعتبار نہیں، ایسے ہی اگر صف میں کھڑا ہو، اور لمبا ہونے کی وجہ سے اس کے سجدے امام سے آگے واقع ہو رہے ہوں تو جائز ہے، اور اگر امام کی بائیں جانب کھڑا ہو تب بھی جائز ہے، اس لیے کہ جواز کا تعلق ارکان سے ہے، اور اس لیے بھی کہ حضرت ابن عباس اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما ابتداءً نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں جانب کھڑے ہوئے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اقتداء جائز قرار دی؛ لیکن یہ مکروہ ہے؛ کیونکہ وہ مختار مقام کو چھوڑنے والا ہے، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما کو اپنے دائیں جانب کھڑا کیا تھا۔

اور جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ اگر پیچھے کھڑا ہو تو جائز ہے، لیکن کیا یہ مکروہ ہے؟ اس سلسلے میں امام محمد سے صراحتاً کراہت منقول نہیں ہے، اور مشائخ کا اس میں اختلاف ہے، بعض حضرات کہتے ہیں مکروہ نہیں، کیونکہ امام کے پیچھے کھڑا ہونے والا دونوں جانبوں میں سے دائیں جانب کھڑا ہے، تو یہ سنت سے اعراض نہیں ہے، بخلاف بائیں جانب کھڑا ہونے والے کے، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ مکروہ ہے، کیونکہ یہ صف کے پیچھے تنہا نماز پڑھنے والے کے حکم میں ہوگیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ'' صفوں کے پیچھے تنہا نماز پڑھنے والی کی نماز درست نہیں ہے''۔ (ابن ماجہ ۱۰۰۳)

اور نہی کا ادنی درجہ کراہت ہے، اور یہ اختلاف امام محمد کے اس قول سے پیدا ہوا ہے، جس میں آپ نے فرمایا کہ اگر اس کے پیچھے نماز پڑھے تو جائز ہے، اور اسی طرح اگر امام کے بائیں جانب کھڑا ہو تو وہ گنہگار ہوگا۔

اور جب امام کے ساتھ کوئی عورت ہو تو اس کو اپنے پیچھے کھڑا کرے، اس لیے کہ اس کی محاذات نماز کو فاسد کرنے والی ہے، اور یہی مسئلہ خنثی مشکل کا ہے کیونکہ اس کے عورت کا ہونے کا احتمال ہے اور اگر امام کے ساتھ ایک مرد اور ایک عورت ہو یا ایک مرد اور ایک مخنث ہو تو مرد کو اپنے دائیں جانب کھڑا کرے اور عورت یا مخنث کو اپنے پیچھے

کھڑا کرے، اور اگر اس کے ساتھ دو مرد اور ایک عورت یا مخنث ہو تو دونوں مردوں کو اپنے پیچھے اور پھر ان کے پیچھے عورت یا مخنث کو کھڑا کرے، اور اگر بہت سارے مرد اور عورتیں اور بچے اور مخنث اور مراہق بچیاں جمع ہو جائیں، اور ان کا ارادہ جماعت کے لیے صف بندی کرنے کا ہو، تو امام سے قریب مردوں کی صف ہوگی، پھر بچوں کی، پھر مخنثوں کی، پھر عورتوں کی، پھر مراہق بچیوں کی، یہی ترتیب جنازے میں ہوگی، اگر مرد، بچہ، مخنث اور عورت اور مراہق بچی کے جنازے ایک جگہ جمع ہو جائیں، اور یہی حکم ان شہیدوں کا ہوگا جنہیں ضرورت کے وقت ایک ہی کنوئیں (قبر) میں دفن کرنا ہو۔ (بدائع صفحہ ۳۹۲ رجلد ۱)

اور کتاب الفقہ میں ہے کہ امام کے لیے مناسب ہے کہ قوم کے درمیان میں کھڑا ہو، اگر وہ لوگوں کے بائیں یا دائیں کھڑا ہوتا ہے تو سنت کی مخالفت کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ (کتاب الفقہ صفحہ ۳۸۳ رجلد ۱)

مقتدی کی افضل جگہ:

جب مقتدی مرد ہو، تو امام سے زیادہ قریب کھڑا ہو، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''سب سے بہترین صف وہ ہے جس کے شروع میں مرد ہوں اور سب سے بدترین صف وہ ہے جس کے آخر میں مرد ہوں''۔ (مسلم صفحہ ۳۲۶ رجلد ۱)

اور جب امام سے قریب ہونے کی جگہ برابر ہو، تو امام کے دائیں جانب کھڑا ہونا اولی ہے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر اچھے امور میں دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے (مسند احمد ۶/۹۴ و بخاری صفحہ ۵۳۸۰)

اور جب صفوں میں کھڑے ہوں، تو سیدھے اور اپنے کاندھوں کو ملا کر کھڑے ہوں، کیونکہ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''صفیں سیدھی کرلیا کرو اور کاندھے کو کاندھے سے ملا کیا کرو''۔ (بدائع الصنائع صفحہ ۳۹۳ رجلد ۱)

اور مناسب ہے کہ افضل القوم پہلی صف میں کھڑا ہو، تا کہ امام کو حدث لاحق ہونے کی صورت میں وہ امامت کا فریضہ انجام دے سکے، اور پہلی صف دوسری صف سے افضل ہے اور دوسری تیسری سے افضل ہے، اسی طرح آخر تک، اور اگر صف میں خلا ہے، تو اس خلا کو پر کرنے والے شخص کے لیے مناسب ہے کہ اس صف میں کھڑا ہونے کے لائق ہو، اور عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ صف میں خلا پر کرنے کے لیے اپنی مشروع جگہ سے آگے بڑھ جائے، کیونکہ اس کے لیے اس صف میں کھڑا ہونا مشروع نہیں ہے، البتہ بچے جو کہ مردوں کے مرتبہ میں ہوتے ہیں جب صف ناقص ہو، تو ان کے لیے بہتر ہے کہ صف کو پوری کرلیں، جب وہاں پر کوئی مرد موجود نہ ہوں، اس مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کا اتفاق ہے، لیکن ائمہ احناف کا اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب لوگوں میں ایک بچہ کے علاوہ کوئی نہ ہو تو اس کو مردوں کی صف میں ضم کر دیا جائے گا اور اگر متعدد بچے ہوں، تو انہیں الگ صف میں کھڑا کیا جائیگا، اور ان سے مردوں کی صف کو مکمل نہیں کیا جائے گا۔

نماز میں خلیفہ بنانا:

فقہاء کی اصطلاح میں خلیفہ بنانے کا مطلب یہ ہے کہ امام یا مقتدی میں سے کوئی شخص مندرجہ ذیل اسباب کی وجہ سے امام کے لیے موزوں شخص کو نائب امام بنائے تا کہ وہ ان کی نماز ان کے امام بدلے پوری کرائے، جیسے امام جماعت سے ایک رکعت یا دو رکعت یا اس سے کم یا زیادہ پڑھا دے، پھر اسے نماز کے درمیان کوئی ایسا عذر پیش آ جائے جو نماز پوری کرنے کے لیے مانع ہو، جیسے اچانک کسی مرض یا کسی حدث کا لاحق ہونا یا دیگر کسی موانع نماز کا لاحق ہونا تو ایسی حالت میں صحیح یہ ہے کہ امام اپنے پیچھے مقتدیوں میں سے کسی کو اختیار کرے اور امام بنائے تا کہ وہ مقتدیوں کو بقیہ نماز پڑھائے، اگر امام ایسا نہیں کرتا ہے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ اپنے میں سے کسی کا انتخاب کرے اور اسے اس امام کے بدلے بغیر بات کئے اور قبلہ سے روخ موڑے ہوئے نائب امام بنائے۔

شاید کوئی یہ اعتراض کرے کہ ایسا کیوں کیا جائے؟ کیا معقول آسانی اس میں نہیں ہے کہ جب امام کو نماز کے درمیان کوئی شرعی عذر

پیش آ جائے تو نماز باطل ہوجائے گی اوراس کے علاوہ کوئی دوسرا امامت کے لیے موزوں شخص آئے اور جماعت سے نماز پڑھائے؟
اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی شریعت میں نماز کی بڑی اہمیت ہے، تو جب انسان نماز پڑھنا شروع کردے اوراپنے رب کے سامنے خشوع وخضوع کے ساتھ مناجات کرنے کے لیے کھڑا ہوجائے تو اس کے لیے مناسب ہے کہ اپنے اس موقف کی حفاظت کرے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہوجائے، تو اگراس سے نماز میں کوئی سہو ہوجائے تو اس کو ادا کرے اور سجدہ سہو کرے اوراس کا مقصد صرف یہ ہے کہ نماز شروع کرنے کے بعد اکمل طریقہ سے اس کی ادائیگی ہو، اس لیے کہ یہ ان اعمال میں سے ہیں جو اسلامی شریعت میں لازم ہیں، لہٰذا کسی بھی حال میں ان میں تساہل اور کوتاہی کرنا مناسب نہیں ہے۔

خلیفہ بنانے کے اسباب:

نماز میں نائب امام بنانے کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

امام کو نماز میں بغیر اختیار کے حدث لاحق ہوجائے جیسے اس سے خون نکل آئے یا ریح خارج ہوجائے یا ہر وہ نجاست جو انسان کے بدن سے نکلتی ہے، نکل جائے، اس حال میں کہ وہ نماز پڑھا رہا ہو، البتہ جب نجاست مسلسل نماز پڑھنے میں مانع ہو یا ارکان نماز میں ایک رکن کے مقدار ستر عورت کھل جائے، تو امام اور مقتدی دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس حالت میں خلیفہ بنانا صحیح نہیں ہے، اسی طرح جب امام قہقہہ لگا کر ہنس دے یا اس پر جنون یا بے ہوشی طاری ہوجائے تو خلیفہ بنانا جائز نہیں ہے، لیکن ہاں جب ضروری مقدار کی قراءت سے عاجز ہو، تو خلیفہ بنانا جائز ہے، لیکن جب بول وبراز کی رکاوٹ کی وجہ سے رکوع وسجود سے عاجز ہو تو خلیفہ نہیں بنائے گا جب تک ممکن ہو کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھا سکتا ہے اور مقتدی اس حالت میں اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہی رائے ہے، اور جب کسی نقصان یا مال کے ضائع ہونے کا خوف ہو تو خلیفہ نہیں بنائے گا بلکہ نماز توڑ دے گا اور مقتدی از سرنو نماز پڑھیں گے۔ (کتاب الفقہ صفحہ ۳۹۴ رجلدا)

نماز میں خلیفہ بنانے کا حکم:

خلیفہ بنانا افضل ہے، اگر امام یا مقتدی کسی کو خلیفہ نہیں بناتے اور ان میں سے کوئی آگے نہیں بڑھتا بغیر خلیفہ بنائے ہوئے تو نماز باطل ہوجائے گی اور افضل کی مخالفت کے ساتھ شروع سے نماز کا اعادہ کریں گے، لیکن شرط یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی کے لیے وقت میں وسعت ہو، اگر وقت تنگ ہے تو خلیفہ بنانا واجب ہے، اور فقہاء کے نزدیک اس مسئلہ میں جمعہ اوراس کے علاوہ میں کوئی فرق نہیں ہے، اور جب امام نے ایک فرد کو خلیفہ بنادیا اور مقتدیوں نے دوسرے کو خلیفہ بنادیا تو جس کو امام نے خلیفہ بنایا ہے اس کے پیچھے نماز درست ہوگی اور جب مقتدیوں میں سے کوئی بغیر خلیفہ بنائے ہوئے آگے بڑھ جائے اور ان کی نماز پوری کرادے تو یہ بھی صحیح ہے؛ لیکن جب نہ امام نے کسی کو خلیفہ بنایا اور نہ لوگوں نے یا بغیر خلیفہ بنائے ہوئے ایک آگے بڑھ گیا اور لوگوں نے تنہا تنہا نماز پڑھی، تو سب کی نماز باطل ہوجائے گی۔ (کتاب الفقہ صفحہ ۳۹۵ رجلدا)

نیابت کی صحت کے شرائط:

نیابت کے صحیح ہونے کے لیے مندرجہ ذیل تین شرطیں ہیں:

پہلی شرط یہ ہے کہ امام خلیفہ بنانے سے پہلے اس مسجد سے باہر نہ نکلے جس میں نماز پڑھا رہا ہو، اگر وہ نکل جاتا ہے تو خلیفہ بنانا صحیح نہیں ہوگا، نہ اس کی جانب سے اور نہ ہی لوگوں کی جانب سے؛ کیونکہ اس کے نکلنے کی وجہ سے سب کی نماز باطل ہوجائے گی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ خلیفہ امامت کے لیے موزوں ہو، اگر امی (ان پڑھ جاہل) یا نابالغ بچے کو خلیفہ بنادیا تو سب کی نماز باطل ہو جائے گی، اور خلیفہ بنانے کی صورت یہ ہوگی کہ اپنے ہاتھ کو ناک پر رکھ کر جھکتے ہوئے پیچھے آئے گا جیسا کہ نکسیر کی وجہ سے خون بہہ رہا ہو، حالانکہ یہ خلاف واقع ہے؛ لیکن اس میں حکمت واضح ہے کہ نماز کے نظم ونسق اور عام آداب کی حفاظت ہوجاتی ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ جونماز ادا کی جارہی ہے اس پر بنا کرنے کی شرطیں پوری پائی جاتی ہوں، اگر یہ شرطیں نہ پائی جائیں، تو نماز باطل ہو جائیگی، اورخلیفہ بنانا صحیح نہیں ہوگا، اورنماز پر بنا کرنے کی گیارہ شرطیں ہیں:

(۱) حدث مجبوراً ہو۔

(۲) حدث اس کے بدن سے ہو، اگرنجاست مانع نماز لاحق ہوتو اس کے لیے بنا کرنا جائزنہیں ہے۔

(۳) حدث ایسا ہوجس سے غسل واجب نہ ہو جیسے فکر وسوچ کی وجہ سے انزال ہونا۔

(۴) حدث نادرنہ ہوجیسے قہقہہ اور بے ہوشی اورجنون۔

(۵) امام حدث کے ساتھ نہ کوئی رکن ادا کرے اورنہ چلے۔

(۶) کوئی منافی کام نہ کرے جیسے کہ غیراختیاری حدث کے بعد عمداً حدث کرے۔

(۷) غیرضروری کام نہ کرے جیسے قریب میں پانی موجود ہونے کے باوجوددور پانی کے لیے جائے۔

(۸) بغیرعذر کے ایک رکن کے بقدردیری نہ کرے جیسے بھیڑ ہو۔

(۹) یہ واضح نہ ہوکہ نماز میں داخل ہونے سے پہلے وہ محدث تھا۔

(۱۰) اگروہ صاحب ترتیب ہےتو چھوٹی ہوئی نماز یادنہآئے۔

(۱۱) مقتدی دوسری جگہ نماز پوری نہ کرے، اگرامام یا مقتدی کو حدث لاحق ہو جائے، پھر وہ وضو کے لیے جائے، تو وضو کے بعد اس پرضروری ہے کہ واپس آکرامام کے ساتھ نماز پڑھے، اگرمنفرد ہےتو اسے اختیار ہے، اگرچاہے تواسی جگہ نماز پوری کرے، یادوسری جگہ پوری کرے۔ (کتاب الفقہ صفحہ ۳۹۷ / جلد ۱)

❀❀❀❀

Uloom\Album DU\Tif Files\A004.TIF not found.

مولانا قاری مفتی محمد مسعودعزیزی ندوی کی

اہم تصانیف

۱- مختصرتجویدالقرآن (بروایت حفص اردو) ۱۰/روپئے

۲- بچوں کی تمرین التجوید (تجوید کے قوائد، مشق اورطریقہ تدریس اردو) ۱۰/روپئے

۳- جیب کی تجوید (تجوید کے ضروری قواعد کا پاکٹ سائز مجموعہ) ۳/روپئے

۴- ریاض البیان فی تجویدالقرآن (بروایت حفص عربی) ۲۰/روپئے

۵- رہنمائے طریقت (شریعت وطریقت، تصوف وسلوک، اخلاق حمیدہ ورذیلہ) ۱۰/روپئے

۶- مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا (فقہ حنفی کے مراجع اوران کی خصوصیات، عربی) ۵/روپئے

۷- الامامۃ فی الصلاۃ مسائلہا واحکامہا (امامت کے مسائل واحکام، عربی) ۳۰/روپئے

۸- التدخین بین الشرع والطب (تمبا کو ونشہ آور چیزیں شریعت وطب کی روشنی میں، عربی) ۲۰/روپئے۔

۹- حیات عبدالرشید (حضرت رائے پوری کے خلیفہ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ کی سوانح حیات) ۵۰/روپئے

۱۰- سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب کے والد ماجد کی سوانح حیات) ۵۰/روپئے

۱۱- تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (مولانا محمد میاں شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی وناظم اعلی جمعیۃ علماء ہند کے حالات زندگی اورکارنامے) ۵۰/روپئے

۱۲- تذکرہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ (مولانا اشرف علی تھانوی کے مختصر حالات زندگی) ۸/روپئے

۱۳- تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (علامہ ندویؒ کے مختصر حالات زندگی) ۸/روپئے

۱۴- تذکرہ حضرت مدنی (حضرت سید حسین احمد مدنی کے مختصرواہم حالات) ۸/روپئے

۱۵- چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید (چودہ بزرگوں کے حالات) ۳۰/روپئے

۱۶- مقالات ومشاہدات (مختلف موضوعات پر ۲۷/مضامین کا مجموعہ) ۳۰/روپئے

۱۷- مکتوبات اکابر (۲۰/بزرگوں کے خطوط کا مجموعہ) ۳۰/روپئے

ملنے کا پتہ

مرکز احیاء الفکرالاسلامی مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

تجزیہ

چوتھی اور آخری قسط

ہندو پاک کے فقہی مکاتب فکر اور اسلامی فرقے

مولانا سید محمد عبدالرشید ندوی منیجر ندوہ کمپیوٹر سینٹر لکھنؤ

قادیانی فرقہ:

قادیانی فرقہ پنجاب کے شہر ''قادیان'' کی طرف منسوب ہے، جو اس فرقہ کے بانی اور مؤسس مرزا غلام احمد قادیانی کی جائے پیدائش اور مدفن ہے، ابتداء میں یہ آریہ سماجیوں اور عیسائی پادریوں سے مباحثہ ومناظرہ کیا کرتے تھے، اس میں ان کو توقع سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی تو ان کے اندر مزید ہمت اور خود اعتمادی پیدا ہوگئی، پھر ان کی خود اعتمادی اتنی بڑھی کہ چودھویں صدی ہجری کا آغاز ہوتے ہی پہلے تو انہوں نے ''مجدد'' ہونے کا دعوی کیا، پھر حضرت عیسی علیہ السلام سے افضل ہونے کا دعوی کیا، ان کا ایک شعر ہے۔

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

پھر سب سے آخر میں انہوں نے نبوت کا دعوی کیا اور کہا کہ جو میری نبوت کا انکار کرتا ہے وہ مردود ہے اور اسلام سے خارج ہے، اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

مرزا صاحب نے اپنی نبوت کے اثبات کے لیے کئی کتابیں لکھیں جن میں سے چند یہ ہیں:

- تریاق القلوب
- حقیقۃ الوحی
- توضیح المرام
- دافع البلاء
- کتاب الوصیۃ
- چشمہ معرفت
- تجلیات الہیۃ
- دین الحق
- مواہب الرحمٰن
- ازالۃ الاوہام
- القصیدۃ الاعجازیہ
- فتح الاسلام
- آئینہ کمالات اسلام وغیرہ۔

ادھر چند سالوں سے ان کے بعض معتقدین ان کے اردو عربی ملفوظات واقوال ''تفسیر قرآن'' کے نام سے جمع کر رہے ہیں، سورہ آل عمران تک کی تفسیر تین جلدوں میں میرے پاس موجود ہے، ممکن ہے اب یہ تفسیر مکمل ہوگئی ہو، اس کے علاوہ ایک تفسیر ان کے لڑکے اور خلیفہ ثانی مرزا البشیر الدین محمود احمد نے ''تفسیر کبیر'' کے نام سے لکھی ہے، مولوی شیر علی کا بھی ایک ترجمہ قرآن ہے، قادیانی ترجمہ وتفسیر کا ذکر آیا ہے تو غلام احمد قادیانی کے چند تفسیری نمونے بھی ملاحظہ کرتے چلیں جو قرآن مجید کی معنوی تحریف کے اعلی شاہکار ہیں:

''والذین یومنون بماانزل الیک وماانزل من قبلک وبالاخرۃ ھم یوقنون''۔(سورہ بقرہ آیت نمبر۴)

یعنی جو لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو کچھ آپ سے پہلے نبیوں پر نازل کیا گیا اور وہی لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں، مرزا صاحب اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں ''آج میرے

دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ قرآن شریف کی وحی اور اس سے پہلے کی وحی پر ایمان لانے کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے، ہماری وحی پر ایمان لانے کا ذکر کیوں نہیں، اسی امر پر توجہ کر رہا تھا کہ خدا تعالی کی طرف سے بطور القاء کے یکا یک میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ آیت کریمہ میں تینوں وحیوں کا ذکر ہے"ماانزل الیك" سے قرآن شریف کی وحی اور "ومـاانـزل مـن قبـلـك" سے انبیاء سابقین کی وحی اور "آخـرة" سے مراد مسیح موعود کی (یعنی خود ان پر نازل ہونے والی) وحی ہے، آخرۃ کے معنی ہیں پیچھے آنے والی، وہ پیچھے آنے والی چیز کیا ہے، سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پیچھے آنے والی چیز سے مراد وہ وحی ہے جو قرآن کریم کے بعد نازل ہوگی کیونکہ اس سے پہلے وحیوں کا ذکر ہے، ایک وہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، دوسری وہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل نازل ہوئی اور تیسری جو آپ کے بعد آنے والی تھی اور مجھ پر نازل ہوئی۔

(۱)"وللّٰہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا"۔ (آل عمران آیت نمبر ۹۷) یعنی لوگوں میں سے جو قدرت رکھتے ہوں ان پر حج فرض ہے، اس آیت کی تفسیر میں مرزا صاحب لکھتے ہیں: ''ایک حج کا ارادہ کرنے والے کے لیے اگر یہ بات پیش آجائے کہ وہ مسیح موعود کو دیکھ لے جس کا تیرہ سو برس سے اہل اسلام میں انتظار ہے تو بموجب صریح نص قرآنی اور احادیث کے وہ بغیر اس کی اجازت کے حج کو نہیں جاسکتا، ہاں باجازت اس کے دوسرے وقت میں جاسکتا ہے۔

(۲) " واحـل الله البیع وحرم الربوا "۔(البقرہ آیت ۲۷۵) یعنی اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا، اس کی تفسیر میں مرزا صاحب لکھتے ہیں:''قرآن شریف کے مفہوم کے موافق جو حرمت ہے وہ یہی ہے کہ وہ اپنے نفس کے لیے اگر خرچ ہو تو حرام ہے، یہ بھی یاد رکھو جیسے سود اپنے لیے درست نہیں کسی اور کو اس کا دینا بھی درست نہیں، ہاں اللہ تعالی کے قبضہ میں ایسے مال کا دینا درست ہے اور اس کا طریق یہی ہے کہ وہ صرف اشاعت اسلام میں خرچ ہو، اس کی ایسے مثال ہے جیسے جہاد ہو رہا ہو اور گولی بارود کسی فاسق فاجر کے ہاں ہو اس وقت محض اس خیال سے رک جانا کہ یہ گولی بارود مال حرام ہے ٹھیک نہیں بلکہ مناسب یہی ہوگا کہ اس کو خرچ کیا جائے، اس وقت تلوار کا جہاد تو باقی نہیں رہا اور خدا نے اپنے فضل سے ہمیں ایسی گورنمنٹ دی ہے جس نے ہر ایک قسم کی مذہبی آزادی عطا کی ہے، اب قلم کا جہاد باقی ہے، اس لیے اشاعت دین میں ہم اس کو خرچ کر سکتے ہیں۔

(۳)"هـوالـذی ارسـل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهر عـلی الدین کله"۔(سورہ فتح آیت ۲۸) یعنی وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول (محمد) کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس کو تمام دین پر غالب کر دے، غلام احمد قادیانی کہتے ہیں کہ اس آیت میں ''رسول'' سے مراد میں ہوں۔

(۴)" مـحـمـد رسول اللّٰہ والذین معه اشداء علی الکفار رحـمـاء بیـنـهـم" ۔(سورہ فتح آیت ۲۹) یعنی محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے لیے سخت ہیں آپس میں ایک دوسرے کے لیے رحم دل ہیں، مرزا صاحب کہتے ہیں ''اس آیت میں محمد سے مراد میں ہوں، اس آیت میں اللہ تعالی نے مجھے ''محمد'' اور رسول کہہ کر مخاطب کیا ہے جیسا کہ اور دوسری آیتوں میں مجھے ''محمد'' سے مخاطب کیا ہے۔

(۶)"وما ارسلناك الا رحمة للعالمین"۔(الانبیاء آیت ۱۰۷) یعنی ہم نے آپ کو سارے عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے، مرزا صاحب کہتے ہیں کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اب آیئے غلام احمد قادیانی کے غلط وگمراہ کن عقائد وافکار پر بھی ایک نظر ڈالیں جو اسلامی عقائد کے بالکل مخالف ہیں اور ان کو اسلام سے خارج کرنے کے لیے کافی ہیں۔

اللہ تعالی نے مجھ سے کہا ہے"انت مـن مـائنا وهم من فشل" یعنی تو ہمارے پانی (یعنی منی) سے ہے اور وہ لوگ بزدلی سے ہیں،

یہاں ''ماء'' سے مراد منی ہے جیسا کہ عبارت کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے، عربی زبان میں ماء کا لفظ منی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، قرآن وحدیث میں بھی منی کے معنی میں استعمال ہوا ہے، قرآن میں ہے ''الم نخلقکم من ماء مهين'' (المرسلات آیت ۲۰) یعنی کیا ہم نے تم کو حقیر پانی (منی) سے نہیں پیدا کیا۔

اللہ نے مجھے یہ کہہ کر مخاطب کیا ہے ''اسمع يا ولدی'' یعنی سن اے میرے بیٹے اور فرمایا ہے ''ياشمس ياقمر، انت منی انا منك'' یعنی اے سورج، اے چاند، تو مجھ سے ہے میں تجھ سے ہوں۔

اپنی نبوت کے استدلال کے لیے لکھتے ہیں انعام خداوندی ہے کہ انبیاء آتے رہیں اوران کا سلسلہ منقطع نہ ہو اور یہ اللہ کا قانون ہے جسے تم توڑ نہیں سکتے۔

اور میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے مجھے بھیجا ہے اور اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے اور اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اور اسی نے میری تصدیق کے لیے بڑے بڑے نشان ظاہر کئے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔

سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا اور خدا تعالی نے اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جائیں تو ان کی نبوت بھی ثابت ہوسکتی ہے، لیکن پھر بھی جو لوگ انسانوں میں سے شیطان ہیں وہ نہیں مانتے۔

اور خدا کا کلام اس قدر مجھ پر نازل ہوا ہے کہ اگر وہ تمام لکھا جائے تو بیس جزء سے کم نہیں ہوگا۔

مجھے اپنی وحی پر ویسا ہی ایمان ہے جیسا کہ تورات اور انجیل اور قرآن حکیم پر۔

یہ تو محض چند مثالیں ہیں اگر تفصیل مطلوب ہو تو حوالہ میں دی گئی کتابیں ملاحظہ کریں۔

۱۹۱۸ء میں یہ جماعت دو فرقوں میں بٹ گئی، قادیانی فرقہ اور لاہوری یا احمدی فرقہ، قادیانی فرقہ کا مرکز ربوہ ضلع جھنگ میں تھا، لاہوری فرقہ کی بنیاد خواجہ کمال الدین اور محمد علی لاہوری نے رکھی، اس کا مرکز ''احمد یہ انجمن اشاعت اسلام'' کے نام سے لاہور میں ہے، اس کی طرف سے مختلف کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں، محمد علی لاہوری خود کئی کتابوں کے مصنف ہیں جس میں قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ وتفسیر اور اردو کا ترجمہ وتفسیر ''بیان القرآن'' کے نام سے مشہور ہے، اس انجمن کے زیر اہتمام کئی ادارے یورپ وافریقہ میں مشنری طرز پر کام کررہے ہیں، قادیانی جماعت بھی مشنری معاملات میں بہت مستعد ہے، اس مشنری نے بھی دنیا بھر میں اپنے مرکز قائم کررکھے ہیں، جو تبلیغ میں دن رات مصروف ہیں۔

سنا ہے کہ قادیانی فرقہ کے پروگرام اب انٹرنیٹ پر بھی آنے لگے ہیں، پاکستان سے باہر دونوں فرقے احمدی مسلمان کہلاتے ہیں، قادیانی علماء میں سے چند مشہور حضرات یہ ہیں: مرزا بشیرالدین محمود احمد، مرزا نورالدین، مولوی صدرالدین، ڈاکٹر بشارت احمد، محمد یعقوب بیگ وغیرہ۔

بھٹو کے دور حکومت میں ۷؍ستمبر ۱۹۷۴ء کو حکومت پاکستان نے قادیانیوں کی دونوں جماعتوں کو غیر مسلم قرار دے دیا تھا، اس کے بعد ہی ''رابطہ عالم اسلامی'' مکہ مکرمہ (سعودی عرب) نے بھی دونوں جماعتوں کو غیر مسلم قرار دے دیا۔

صدر ضیاء الحق نے اپنے دور حکومت میں اس فرقہ کی سرگرمیوں پر مکمل پابندی لگا دی تھی اس لیے قادیانیوں کو مجبوراً ہیڈ کوارٹر ''ربوہ'' جھنگ سے برطانیہ منتقل کرنا پڑا جہاں برطانوی حکومت نے ان کو بڑی پذیرائی کی اور ان کو اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کے لیے بہت بڑی آراضی مفت فراہم کی، بے نظیر بھٹو نے اپنے دور حکومت میں اس فرقہ پر سے پابندی اٹھالی تھی تو انہوں نے ''قادیانیت'' کا ''جشن طلائی'' بڑی دھوم دھام سے منایا تھا۔ اناللّٰہ وانا الیہ راجعون

جنگ آزادی میں ندوۃ العلماء کا کردار

مولانا عبدالوکیل ندوی بارہ بنکوی

اس مضمون میں جنگ آزادی میں علمائے ندوہ اور ندوہ کے کارناموں کو ذکر کیا گیا ہے، وقت کے تقاضے اور مضمون کی اہمیت کے پیش نظر اس کو دو قسطوں میں شائع کیا جارہا ہے، پہلی قسط میں ندوۃ العلماء ایک عالمگیر تحریک، ندوۃ العلماء کا فکری مزاج، ندوۃ العلماء کی آبیاری اور آزادئ ہند، علمائے ندوہ مولانا سید سلیمان ندوی، عبدالحلیم صدیقی ندوی، عبدالرحمٰن ندوی نگرامی، مسعود علی ندوی بارہ بنکوی، مولانا حنیف ندوی، سید نجیب اشرف ندوی، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی وغیرہم کے کارنامے شامل ہیں۔ (ادارہ)

ندوۃ العلماء ایک عالمگیر تحریک:

۱۸۵۷ء کے روح فرسا واقعہ کے بعد بعض دانشوروں کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ ملت کے سرمایہ اور مسلمانوں کی تعلیمی، ثقافتی، ملی ورثہ کی حفاظت و پاسبانی کے لیے کوئی معقول کام کیا جائے جس سے اس طرح کے واقعہ کی تلافی ممکن ہوسکے، لہٰذا ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند اور ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ میں مسلم کالج قائم کیا گیا لیکن ان دونوں مدرسوں کے باوجود ایک ایسی ہمہ گیر تحریک اور انجمن کی ضرورت برقرار تھی جو باہم اعتماد وخودداری کے ساتھ پورے ملک میں اپنی تحریکی صلاحیتوں سے عوام وخواص کو خاص طور سے آزادی کی جدوجہد کو مثبت اور ٹھوس اصولوں کے ساتھ برقرار رکھ سکے اور اس تحریک کے ذریعہ سے ملت کے ان کاموں کو بروئے کار لایا جاسکے جو ابھی تک ممکن نہ ہوسکے تھے، اسی فکری بنیاد کو سامنے رکھتے ہوئے ندوۃ العلماء کی تحریک وجود میں آئی۔

ندوۃ العلماء ایک عالمگیر تحریک تھی اگر ایک طرف اس کے منشور میں یہ شامل تھا کہ مسلمانوں کے مختلف گروہوں کو آپس میں شیر وشکر کیا جائے تو دوسری طرف اس کی بنیادی ضرورت یہ تھی کہ آزادی وطن کے لیے ایسی فضا بھی ہموار ہوجائے جو دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ کالج کے قیام کے باوجود ممکن نہ ہوسکی کہ مسلمانوں میں ہی دو بڑے طبقے تھے علماء کا گروہ اور دانشوروں کا حلقہ، دونوں میں بہت ہی دوری تھی، علماء میں مسلکی اختلاف نے تنسیق وتکفیر کا بازار گرم کر رکھا تھا اور دانشوروں کا طبقہ ہر کسی کو دنیاوی عینک سے دیکھتا تھا بالآخر تمام طبقات اور گروہوں، جماعتوں، مسلکوں، مشربوں کے لوگ کانپور میں ۱۳۱۱ھ میں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے اور اتحاد واجتماعیت کا پیغام لے کر اٹھے اور معاشرے میں ایک ہلچل پیدا کردی، اس نمائندہ تنظیم کا نام ندوۃ العلماء پڑا جس کے پیش نظر ہر مسئلے کا حل اتحاد واجتماعیت میں مضمر ہے۔

ندوۃ العلماء کا فکری مزاج:

چنانچہ فکر ندوۃ العلماء نے ایسی باصفات وباکمال شخصیات تیار کیں جو ملک میں پھیلی اور ہر اس بدمزاجی کو دور کردی جو دوسری قوموں نے ملک بھر میں پھیلا رکھی تھیں، مثلاً غیر مسلموں اور مسلمانوں کے درمیان تنازعات کی کھڑی دیواریں، اسلامی لٹریچر وکتابوں میں بھڑکاؤ مواد، مسلمانوں کے گروہوں میں ٹکراؤ اور عیسائیت اور قادیانیت کا پھیلاؤ کو روکنا بھی انگریزوں کے خلاف ایک محاذ جنگ تھا، جس کو ندوۃ العلماء کی فکر نے سمجھا اور اس کے لیے کمربستہ ہوئے کیونکہ اگر ندوی فکر کے علماء حصار ''ردوتردید'' قائم نہ کرتے تو ملک آزاد تو ہوجاتا مگر عوام وخواص ہمیشہ ذہنی غلامی میں ہچکولے کھاتے رہتے جیسا کہ وطن کی آزادی کے ۵۷؍سال گزرنے کے باوجود ہم بعض چیزوں مکمل طور سے آزاد نہ ہوسکے، ان میں انگریزوں کی تہذیب وثقافت، ان کی مکاری کے

پرفریب نعرے اور ہندو مسلم کا ملکی امتیاز جیسے عنوان کافی اہم ہیں جو آج بھی اپنا کردار نبھار ہے ہیں اور ہم وقتاً فوقتاً اس کی گرفت میں آ کر خون کی ہولی کھیل جاتے ہیں، جہاں تک جنگ آزادی اور ندوۃ العلماء کا تعلق ہے تو ندوۃ العلماء نے کبھی بھی سالمیت و بقاء کی حفاظت کے لیے کوئی فرگذاشت نہیں رکھ چھوڑی۔

مفکر اسلام سید ابوالحسن علی ندوی رقمطراز ہیں کہ ندوۃ العلماء مسلک ولی اللّٰہی ہے، اس کا وجود شمع آزادی کی روشنی کو عام کرنے بلکہ انجام تک پہنچانے کے لیے ہوا کیونکہ ندوۃ العلماء کو حضرت سید احمد شہید اور شاہ عبدالعزیز سے نسبت غلامی حاصل ہے، یہی وہ نسبت ہے جس نے براہ راست آزادی کی تحریک میں اپنا نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

ندوۃ العلماء کی آبیاری اور آزادئ ہند:

مولانا محمد علی مونگیریؒ سے لے کر حکیم مولانا عبدالحئی رائے بریلوی تک جتنے علماء کرام نے ندوۃ العلماء کی آبیاری میں حصہ لیا ہے وہ سب کے سب آزادئ ہند کے سچے پرستار اور محبّ وطن تھے اور وطن میں اٹھنے والے فتنوں سے ہمیشہ برسر پیکار رہے، خود ندوی فکر کے حاملین میں مولانا آزاد، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی جیسے لوگ شامل ہیں جنہوں نے تحریر و تقریر، تصنیف و تالیف کے ذریعہ سے وطن کی راہ میں آنے والی ہر اس رکاوٹ کو دور کیا جو کبھی بھی وطن کے لیے ناسور بن سکتی تھی اور یہی وہ زمانہ آزادی تھا جب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب ''سید احمد شہید'' وجود میں آئی جو پاسبان آزادی کے لیے راہنما ثابت ہوئی، جس نے جرأت و حوصلہ پیدا کیا، مایوسی کو دور کیا اور انگریزوں کو سراب سے زیادہ حیثیت نہ دی، یہی سید احمد شہید تھے، جنھوں نے ہندو مہاراجاؤں کے ساتھ انگریزوں سے ملک کو آزاد کرانے کے لیے لائحہ عمل تیار کیا اور مہاراجا گوالیار کو خط بھی لکھا جس میں انگریزوں کے اس ملک میں قیام کے نقصانات کو واضح کیا اور کچھ کر سکنے پر آمادہ کیا۔

علاوہ ازیں علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، سید نجیب اشرف ندوی، عبدالحلیم صدیقی ندوی، مولانا احمد علی، مفسر قرآن مفتی عنایت علی کاکوروی، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا عقیل الرحمٰن سہارنپوری ندوی معین ناظم ندوۃ العلماء دہلی، مولانا عبدالقادر ندوی اوڈونوالہ، مولوی محمد الیاس ندوی گوندلانوالہ وغیرہ کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی، آیئے ہم ان مایہ ناز شخصیات کی جدوجہد آزادی پر روشنی ڈالتے چلیں تاکہ ہم اور آپ اپنے اسلاف کے قومی، ملکی و سیاسی کارناموں سے واقف ہو سکیں۔

فخر عهد علامه سید سلیمان ندویؒ:

یہ مولوی بہت ہی چاتر (چالاک) ہے، یہ الفاظ ہندوستان کی آزادی کے علمبردار مہاتما گاندھی نے علامہ سید سلیمان ندوی کے بارے میں فرمائے، علامہ ندوی کا تعلق یوں تو علمی اور تحقیقی کاموں سے تھا مگر اس وقت پورا ہندوستان صرف آزادی کا خواستگار تھا تو کیونکر علامہ پیچھے رہ جاتے جب کہ آپ ایک ہندوستانی تھے اور ہندوستان ہی کی سرزمین ضلع پٹنہ بہار میں ۱۸۸۴ء یعنی کانگریس کے قیام سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے، تعلیم و تربیت کے مراحل سے گزر کر جب آپ نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو اس وقت پورا ہندوستان صرف ایک خواب آزادی ہندوستان کا لیے بیدار و مضطرب تھا جس کی وجہ سے سید صاحب بھی اپنے کو اس آزادی کی چنگاریوں سے محفوظ نہ رکھ سکے اور اپنی تقریر و تحریر سے پرے تحقیقی صلاحیتوں کو ہی لے کر میدان آزادی میں کود پڑے، پھر کیا تھا تحریک خلافت کا اسٹیج ہو یا جمعیۃ العلماء کے جلسوں کی صدارت یا وفد حجاز میں شمولیت ہو یا ہندوستان میں آزادی کے جلسے جلوس ہوں، ہر ایک میں آپ نے اپنے جوہر دکھائے جس طرح علم کے میدان میں آپ نے لوہا منوایا، اسی طرح سیاست میں بھی آپ نے اپنی صلاحیت و قابلیت کی دھاک بٹھائی، اگرچہ آپ نے سیاست میں کوئی زیادہ دلچسپی نہیں لی پھر بھی بہت سے ایسے کارنامے انجام دئے جو اہل ندوہ کے علاوہ آزادی ہند کے لیے سرخروئی کا باعث ہیں۔

جب ۱۹۱۴ء میں ترکی نے جنگ عظیم میں حصہ لیا اور ہندوستان کے کئی اہم لیڈر گرفتار ہو گئے تو مولانا موصوف بھی نئے گروپ میں شامل ہو کر باقاعدہ سیاسی پلیٹ فارم کی آواز بن گئے چہ جائیکہ آپ کو سیاست میں لانے والے مولانا عبدالباری فرنگی محلی ہیں اور انہیں کے زیر تربیت ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۶ء تک برابر سیاسی کاموں میں ترقی کے منازل طے کرتے رہے اور ۱۹۱۷ء میں مجلس علماء بنگلہ کے ایک اہم جلسہ میں شرکت فرمائی اور بلاتردد مولانا آزاد جیسے مسلم قائدین کا نام اسٹیج سے لیا جو کہ اس ماحول میں نام لینا اپنی گرفتاری اور انگریزوں کے ظلم وستم کو دعوت دینا تھا۔

علاوہ ازیں ۱۹۱۹ء میں مجلس خلافت لکھنؤ کے اسٹیج سے تقریر فرمائی اور ۱۹۲۰ء میں وفد خلافت جو ہندوستان سے یورپ گیا، اس کی ترجمانی اور ہندوستانی مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے آپ کو بھی بھیجا گیا جب کہ اسی سال کانگریس کے ناگپور اجلاس میں شرکت فرمائی اور تحریک ترک موالات میں بھی پیش پیش رہے، اس کے بعد آپ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ممبر اور جمعیۃ العلماء کی مجلس عاملہ کے رکن منتخب ہوئے۔

۱۹۲۳ء میں بہار خلافت کانفرنس کی صدارت فرمائی اور ۱۹۲۵ء میں کانگریس اور خلافت کمیٹی کے مشترکہ اجلاس میں شریک ہوئے اور اسی سال دوسرا وفد جو حجاز کے سفر پر خلافت کمیٹی کی تجاویز کو شاہ کے سامنے پیش کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو اس میں بھی آپ نے نمایاں خدمت انجام دیں، حجاز سے آنے کے بعد جمعیۃ العلماء کے اہم اجلاس ۱۹۱۶ء کلکتہ کے صدر منتخب ہوئے اور ایک خطبہ صدارت پیش کیا جو تاریخی اہمیت کا حامل ہے، اس کے علاوہ ۱۹۴۴ء میں ہٹاریکل کانگریس کی صدارت فرمائی اور ۱۹۵۱ء میں سہلٹ (پاکستان) میں جمعیۃ العلماء کی صدارت سے سرفرازی ہوئی۔

اگرچہ مولانا اس کے علاوہ بھی بہت سے جلسوں اور تحریکوں اورمشوروں میں شامل رہے اور رسالہ ''معارف'' کے ذریعہ پھر ''الہلال'' میں امام الہند مولانا آزاد کے اشتراک سے اور ملاقاتوں مراسلات اور تقریروں کے ذریعہ ملک کی ذہنی، ثقافتی، اقتصادی امور میں رہنمائی فرمائی اور ہندوستان کو غلامی سے نکالنے کے لیے صلاحتیں لگائیں، افغانستان کا ایک اہم سفر بھی یادگار ہے جو انہوں نے علامہ اقبال اور سرراس مسعود کے ساتھ کیا، انہوں نے تحریک آزادی میں حصہ لینے والوں کی نہ صرف سرپرستی کی بلکہ ان کے شانہ بشانہ کھڑے بھی ہوئے، اس موضوع پر کنونشوں، اجلاسوں، کانفرنسوں، سپوزیموں کو بھی خطاب کیا اور مفید وقتی مشوروں سے نوازتے بھی رہے، اس سلسلے میں ان کی تحریروں کا ایک بڑا ذخیرہ آج بھی موجود ہے۔

مگر آپ نے اپنے مزاج وذوق کے مطابق سیاست سے کوئی دلچسپی نہ لے کر تالیف وتصنیف کو اپنا مطمح نظر بنایا، کیونکہ آپ خود رقمطراز ہیں کہ میں سیاست سے گھبراتا نہیں ہوں لیکن قوم مجھ سے ایک ہی کام لے سکتی ہے یا علم کی خدمت یا سیاست، کیونکہ علم سکون واطمینان کا طالب ہے جب کہ سیاست ہنگامہ آرائی کی غماز ہے۔

ادیب اول ندوۃ العلماء عبدالحلیم صدیقی ندوی:

ندوی برادری کے فرزند عبدالحلیم صدیقی ملیح آبادی ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ادیب اول کی حیثیت سے معروف تھے، آپ بہترین مقرر اور درس وتدریس کے مایہ ناز اساتذہ میں تھے، زمانہ کی گردش اور وقتی تقاضے کے اثرات اور وطن عزیز کی محبت نے انہیں بھی جیل کی سلاخوں کو چومنے کا شرف بخشا۔

نان کوآپریشن کے پرزور حامی، جمعیۃ العلماء ہند کے ہائی کمان کے مبلغ وداعی مولانا ندوی نے آزادی وطن کے لیے بڑی مشقتیں برداشت کیں، متعدد مرتبہ قید وبند کی صعوبتیں کو لبیک کہا، آپ ندوۃ العلماء کے کئی اہم اجلاس ۱۹۲۵ء تا ۱۹۲۷ء میں صف اول کے کارکن میں شامل رہے جب کہ بہت دنوں تک جمعیت مرکزیہ تبلیغ کے ناظم کے عہدہ سے خدمات انجام دیں۔

الغرض ساری عمر سیاسی جدوجہد اور مصروفیتوں کی وجہ سے کوئی

معقول ذریعہ معاش اختیار نہ کرسکے، جس کی بنا پر تنگ دامانی نے ساتھ نہیں چھوڑا، اس کے باوجود وضع قطع میں کوئی فرق نہیں آیا چہ جائیکہ اسی حال میں دنیا سے رخصت ہوگئے۔

مولانا عبدالرحمن ندوی نگرامی اورجماعت خدام الدین:

مولانا نگرامی نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن نگرام میں حاصل کی بعدہ ۱۹۰۷ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے اور ۱۹۱۵ء تک دارالعلوم کے تعلیمی نصاب سے اپنے کو سیراب کیا۔

درس وتدریس کی نمایاں خدمات کے علاوہ متعدد تالیفی و تصنیفی کام کئے اور پھر ملک میں چل رہی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیا کیونکہ یہ اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت تھی بلکہ ہر ایک ہندوستانی کی آرزوئے زندگی اور آبروئے زندگی تھی، چنانچہ ۱۹۰۸ء میں جب آریوں نے شدھی کا فتنہ جوالا اٹھایا تو علامہ شبلی نے ۱۹۱۲ء میں ایک جماعت ''انجمن خدام الدین'' کے نام سے بنائی تو مولانا نگرامی اس جماعت کے جواں عزم لوگوں کی فہرست میں اولین خادم کے طور پر سامنے آئے۔

جماعت سے دلی تعلق کی بنیاد پر علامہ سید سلیمان ندوی رقمطراز ہیں کہ ''یہ جماعت (خدام الدین) تو مٹ گئی اس کا بانی رخصت ہوگیا، حالات بدل گئے مگر عبدالرحمٰن نے اس تعلق سے جو عہد کیا تھا اس کو اخیر تک پورا کیا''۔

علاوہ ازیں جس زمانہ میں مولانا مرحوم کلکتہ میں مدرسہ اسلامیہ کے صدر مدرس تھے تو وہاں خلافت کمیٹی کے صدر مقرر ہوئے اور ایک بار کلکتہ میں خلافت کمیٹی کی طرف سے استقبالیہ صدر بھی نامزد کئے گئے، الغرض آپ آخر تک ترک موالات کی تحریک سے وابستہ رہے اور اعظم گڈھ کلکتہ میں برابر آپ کی سیاسی سماجی تقریر ترک موالات کی حمایت میں ہوتی رہتی تھیں، عمر کم پائی ۲۷/ یا ۲۸/ سال صرف، مگر اس کم عمری میں اپنے خطابات، تحریروں، مشوروں کے ذریعہ ایک بالغ نظر عالم وقائد کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے، تحریک آزادی کے مرد میداں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی سے آپ کا رشتہ مؤدت ومحبت اس قدر گہرا تھا کہ ان کے حلقے میں شامل ہوگئے تھے۔

مولانا مسعود علی ندوی تحریک خلافت کے جانبازرکن:

دارالعلوم ندوۃ العلماء کی خدمات ہوں اور علامہ شبلی کی عظیم شخصیت کا تذکرہ نہ ہو تو یہ حق تلفی ہوگی اور پھر علامہ شبلی کا ذکر خیر ہو اور ان کے ہونہار تلامذہ کا نام نامی نہ آئے تو ان کے دور رس خیالات ونظریات کے پھیلاؤ میں ناانصافی ہوگی۔

علامہ شبلی کے ہونہار شاگردوں میں ایک نام مولانا مسعود علی ندوی بھیاروی (بارہ بنکی) ہیں جو ندوۃ العلماء کے ممتاز فضلاء میں سے ایک ہیں، ملی وملکی مسائل میں بڑے ہی سرگرم متحرک وفعال کارکن ہی نہیں بڑے رہنماؤں میں سے تھے، دارالمصنفین میں ان کا قیام رہا کرتا تھا، جہاں ان سے ملنے آزادی کے متوالے آیا کرتے تھے، موتی لال نہرو، جواہر لال نہرو جو ملک کے پہلے وزیراعظم ہوئے وہ بھی ان کی صلاحیت کے قدرداں تھے۔

مولانا کی یہ قدردانی یونہی نہیں تھی بلکہ ۱۹۲۰ء تا ۱۹۲۲ء تک ان کے نام کی گونج تحریک آزادی کے ہر علم بردار لیڈر کے نوک زبان تھا۔

مولانا عبدالماجد دریابادی خود اپنے مضمون صدق جدید ۱۸/ستمبر ۱۹۷۶ء میں رقمطراز ہیں کہ ''یہ گمنام مولوی اپنے دور شباب میں مولانا شوکت علی کے خلیفہ یا لفٹینٹ کے طور پر جانا جاتا تھا اور جواہر لال کا گھر آنند بھون بھی ان کے قدوم میمنت لزوم سے ناآشنا نہ تھے''۔

مولانا اپنے انتظامی امور کی قابلیت کے بطور تحریک خلافت، تحریک ترک موالات میں کافی مقبول تھے اور ہر سیاسی کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور ملک کے ہر ذی شعور لیڈران کے آپ سے قریبی تعلقات تھے آپ کی سیاسی، ملی، علمی، ملکی اور خاص طور سے آزادی کی تحریکات کے توسط سے جو خدمتیں ہیں ان کو تاریخ کے اوراق کبھی فراموش نہیں کرسکتے، مولانا عبدالکلام آزاد ان کے بڑے قدردانوں میں سے تھے اور ان کی اصابت رائے کے معترف تھے اور ان کے

مشوروں کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔

مولانا محمد حنیف ندوی اور جذبۂ حریت:

ندوۃ العلماء کے اشخاص وارکان کا جو فکری کام ہے وہ اپنی جگہ مسلم کیونکہ تصنیف وتالیف ایک ایسی خدمت ہے جو رہتی دنیا تک صدقہ خیر ہے کیونکہ یہ تاریخ سے واقفیت اور نسل نو کے لیے حیات جاوداں اور اہل علم کے لیے آب حیات ہے لیکن اس کے ساتھ اگر زمانہ کی گردش وقت کی نباضی کی تشخیص بھی شامل ہوتو سونے پر سہاگہ، چونکہ فضلائے ندوہ نے ہمیشہ وقت کی رفتار دیکھ کر فیصلہ لیا، اس لیے مجھے لکھنے میں کوئی تأمل نہیں کہ مولانا محمد حنیف ندوی گوجرانوالہ بھی انہیں نباض اشخاص میں شامل ہیں، جنھوں نے تالیف وتصنیف میں جو کام کیا وہ اپنی جگہ پر مگر ملک کے لیے جو قربانی دی کیا اس کو ہم وطن حضرات بھلا سکتے ہیں، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جس وقت آزادی کے لیے پورے ملک میں ایک محشر بپا تھا اس وقت گوجرانوالہ میں ایک جماعت نوجوان بھارت سبھا تحریک وطن کے تعلق سے بنائی گئی، مولانا اس کے رکن رکین ہوئے اور انگریزی حکومت کے خلاف خوب تقریریں کیں جس کے نتیجہ میں گرفتار ہوئے، مقدمہ چلا اور چھ ماہ کے لیے جیل بھیج دیئے گئے۔

بعد رہائی اسلامیہ کالج ریلوے روڈ سے متصل مسجد میں خطیب وامام مقرر ہوئے اور درس قرآن کا سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا، مولانا صحافتی اور تفسیری خدمات میں بہت ممتاز ہوئے اور آپ نے تقریباً چھ سات پرچوں واخباروں کی ادارت سنبھالی جس میں ''الاعتصام'' آپ کا بہت مشہور رسالہ ہے، جب کہ پندرہ سے زائدہ کتابوں کے مصنف ہیں اور آپ کی تفسیر ''سراج البیان'' کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

مولانا نے ندوۃ العلماء میں پانچ سال تک تعلیم حاصل کی اور تفسیر سے تخصص کرنے کے بعد اعظم گڑھ دارالمصنفین میں کچھ عرصہ قیام کیا، بعدہ اپنے وطن گوجرانوالہ چلے گئے، آپ کے معروف اساتذہ میں مولانا حیدر حسن خان ٹونکی، مولانا عبدالرحمٰن نگرامی، شمس العلماء حفیظ اللہ وغیرہم تھے، مولانا کا صحافتی اسلوب اور تفسیری بیان بہت عمدہ تھا، آپ کی خدمات کا اعتراف اسحاق بھٹی نے اپنی کتاب ''نقوش عظمت رفتہ'' میں کیا ہے جب کہ حمیر ہاشمی نے ''سوعہد ساز شخصیتیں'' نامی کتاب میں ایک پورا مضمون ان کی زندگی پر تحریر ہے اور ارمغان نامی خصوصی شمارے میں مولانا کی دوسری مشغولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے بعض حضرات رقم طراز ہیں کہ مولانا حنیف ندوی پاکستان فلسفہ کانگریس کے رکن اور حکومت کی طرف سے اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر بھی منتخب ہوئے اور آپ مختلف اہل حدیث تنظیموں کے صدر ورکن بھی رہے، مولانا کو حکومت پاکستان کی طرف سے صدارتی ایوارڈ ستارہ امتیاز ملا اور پشاور میں منعقدہ اجلاس پر خطبہ صدارت وصدر تھے، جب کہ ریڈیو پاکستان سے آپ کا تقریری سلسلہ برابر جاری رہتا، آپ نے لندن کی بھی سیر کی۔

سید نجیب اشرف ندوی اور تحریک ترک موالات:

آزادی کے دور میں بہت سی تحریکیں وجود میں آئیں جس میں ایک کامیاب تحریک موالات کی تھی، یہ ایسی تحریک تھی جس میں مدارس واسکول کالج کے طلبہ نے سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ۱۹۱۳ء کا زمانہ تھا جب سید نجیب اشرف ندوی پٹنہ کالج میں بی اے کے طالب تھے، اس سے قبل کی امتحان دینے کی نوبت آتی تحریک ترک موالات میں کود پڑے اور اس کے سرگرم رکن ہو گئے، بعض تصویروں میں وہ بی اماں کے ساتھ بھی دکھائی دیتے ہیں جب کہ ان کی یادگار تصویر اس طور پر بھی محفوظ ہے جس میں وہ اپنی گردن پر خلافت لکھا ہوا جھولا لٹکائے ہوئے نظر آتے ہیں، اس کے علاوہ آپ گاندھی جی کے قدم بقدم رہے اور سنسکرت میں عبور حاصل کر کے صحیح فکر وروح سے لوگوں کو سیراب کیا، اس طرح آپ نے بہت سے سیاسی ملی قومی کاموں میں حصہ لیا اور جنگ آزادی کی تحریک کو قوت بہم پہنچائی، اس کے بعد جب تحریک خلافت وترک موالات کا زور کم ہوا تو آپ نے...... ﴿بقیہ اگلے صفحہ ۳۸ پر﴾

خوشخبری

ہمت مرداں مدد خدا

۳۱؍مسلمان آئی،اے،ایس میں کامیاب

مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی جنرل سکریٹری اسلامک اکیڈمی بھٹکل

گذشتہ ہفتہ جے پور راجستھان سے مولانا فضل الرحیم صاحب مجددی ندوی نے مجھے یہ خوشخبری سنائی کہ امسال انہوں نے اپنی چیرمین شپ میں قائم کریسینٹ اکیڈمی کے تحت جن طلباء کو ملک کی اعلی سول سروس وغیرہ کے لیے کوچنگ کے بعد امتحانات میں بٹھایا تھا اس میں جملہ کامیاب ہونے والے ۷۹۱؍طلباء میں ۳۱؍مسلم طلباء تھے اور اس میں سے ایک تہائی یعنی دس طلباء خود ان کی اکیڈمی کے تھے، یاد رہے کہ امسال پورے ملک سے تین لاکھ اٹھارہ ہزار طلباء نے امتحانات میں اپنی قسمت آزمائی تھی، اس خوش کن خبر کو سن کر میرے دل پر تین طرح کے اثرات مرتب ہوئے ایک مسرت کا، دوسرا حیرت کا، تیسرا اطمینان کا۔

مسرت کا اثر فطری تھا کہ ملک کے نظم ونسق میں بتدریج ہی سہی اپنی ملت کی نمائندگی میں اضافہ ہو رہا ہے، ۲۰۰۵ء میں اس میں کامیاب مسلم طلباء کی تعداد صرف ۱۲؍تھی، صرف تین سال میں یہ ترقی اگر چہ ہماری مسلم آبادی کے اعتبار سے بہت کم سہی لیکن ماضی کے مقابلہ میں نہ صرف غنیمت بلکہ اطمینان بخش بھی کہی جاسکتی ہے، مسرت کی دوسری وجہ تھی کہ سب سے اعلی رینک کے ۵۱؍طلباء میں تین طلباء نے ۲۰،۲۶؍ اور ۵۱؍ویں رینک کے ساتھ نہایت اعلی کارکردگی کا مظاہرہ کیا، اس طرح مجموعی طور پر آئی، اے، ایس میں مسلم تناسب ۴؍اعشاریہ کے قریب اور سب سے ممتاز ۵۱؍طلباء میں ہمارا اوسط بھی ۶؍اعشاریہ کے قریب پہنچ گیا، اس میدان میں رینک کی اہمیت اس لیے ہے کہ اسی کے مطابق ان کامیاب طلباء کا ملک کی بڑی پوسٹنگ اور عہدوں کے لیے انتخاب ہوتا ہے اور ملک کے اہم اور نازک منصب پر ان کو فائز کیا جاتا ہے، مولانا کی اس خوش کن خبر سے مجھے حیرت اس لیے ہوئی تھی کہ ہمارے علماء ادھر گذشتہ کئی سالوں سے بالخصوص موجودہ حالات میں اور خاص کر ہمارے ملک میں ان کے متعلق کئے جانے والے پروپیگنڈوں اور نام نہاد وروشن خیال دانشوروں کی طرف سے ان کو تنگ نظر اور انتہا پسند ثابت کئے جانے اور تعطل وجمود کے حوالہ سے ان کو بدنام کئے جانے کی منصوبہ بند کوششوں کے پس منظر میں دین تو دین دنیاوی میدان میں بھی اپنی غیر معمولی کارکردگی سے ایسے نقوش واثرات اور تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے جانے والے وہ کارنامے انجام دے رہے ہیں جن سے ان کے نادان دوست کے ساتھ دانا دشمن بھی خاموش ہو رہے ہیں اور ان کی بولتی بند ہو رہی ہے۔

ایک مدرسہ کے فارغ اور خانقاہ نشین عالم نے علماء اور دینی مدارس کو بدنام کئے جانے کے اس پورے منصوبہ کے پس منظر میں جب عصری میدان میں بھی کچھ کر دکھانے کا عزم کیا تو اللہ کی طرف سے ان کی کس طرح غیر معمولی مدد ہوئی، غور طلب بات یہ ہے کہ ملک کے ۹۸؍اعشاریہ عصری تعلیم یافتہ مسلم دانشور مل کر ۲۱؍مسلم آئی، اے، ایس نہیں دے سکے، اس لیے کہ ان باقی کامیاب دوتہائی مسلم طلباء کی اکثریت نے کسی مسلم ادارہ یا تنظیم کی طرف سے ان امتحانات میں بیٹھ کر کامیابی حاصل نہیں کی تھی بلکہ وہ انفرادی طور پر اس میں شریک ہوئے تھے، مولانا فضل الرحیم صاحب مجددی ندوی نے اس سے بڑا کارنامہ اس وقت انجام دیا جب ان کی کوششوں اور ان کی کوچنگ سے گذشتہ دو سال میں سترہ مسلم طلباء کا شمالی ہند کی مختلف عدالتوں میں

ڈسٹرک کورٹ میں بطور جج انتخاب ہوا، اس کے علاوہ گجرات فسادات میں وہاں کے مسلمانوں کی قانونی مدد اور مجرم سرکاری افسران ووزراء کے خلاف عدالتی کارروائی میں بھی انہوں نے خاموشی سے اہم رول ادا کیا، اس سے مجھے اطمینان ہوا کہ اس الزام کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں کہ ہمارے علماء نے زمانہ کے تقاضوں پر اور مسلمانوں کو اپنی اکثریت کے بل بوتے پر کسی کو ہرانے یا جتانے کا زعم نہ ہو، اس طرح کا منصوبہ بند کام ممبران پارلیمان یا اسمبلی نے نہیں کیا بلکہ سول سروس میں شامل الیکشن کمیشن کے ان افسران نے کیا تھا جن کی ذہن سازی آر ایس ایس نے سالوں پہلے کہ تھی اور جن کو بی جے پی حکومت کے زمانہ میں ان مناصب پر فائز کیا گیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ ہماری ملت کا ایک آئی اے ایس قابل مسلم افسر حقیقت میں دس ممبران اسمبلی اور پارلیمان پر بھاری ہے اور ہمیں مسلم ممبران پارلیمان واسمبلی میں اضافہ کی کوشش کے بجائے سول سروس میں مسلمانوں کی تعداد کو بڑھانے کی فکر کرنی چاہئے۔

ملک کی آزادی کے موقع پر سردار ولبھ بھائی پٹیل نے ایک خاص مقصد کے تحت اپنے لیے وزارت داخلہ کا قلمدان طلب کیا اور مولانا آزاد نے مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کے لیے وزارت تعلیم حاصل کی، نہرو تو وزیراعظم بنے لیکن ان سب میں ڈاکٹر امبیڈکر نے غیر معمولی بصیرت وفراست کا ثبوت دیا، اور انہوں نے وزارت کی پیش کش ٹھکرادی اور دستور ساز کمیٹی کے لیے اپنی خدمات پیش کیں اور دستور ساز کمیٹی کے وہ چیرمین بنے، اس دوران انہوں نے دستور ہند کی دفعات میں اپنی ذات وبرادری (دلتوں اور پسماندہ طبقات) کے لیے سرکاری نوکریوں، ملازمتوں اور حکومت کے مناصب وعہدوں کے لیے ریزویشن کی گنجائش رکھی، نتیجہ آج ساٹھ سال کے بعد ہمارے سامنے ہے کہ کم تعلیم کے باوجود نئی آنے والی ہر حکومت ایک تہائی سرکاری ملازمتیں اور مناصب وعہدے ان دلتوں کو دینے کے لیے مجبور ہے اور ملک کے تمام بڑے عہدوں پر اس وقت پسماندہ طبقات کے افراد کی ایک بھیڑ نظر آرہی ہے، جس کے نتیجہ میں نچلے درجہ کا ایک برہمن افسر اپنے سے اوپر کے دلت افسر کے سامنے سر جھکائے، ہاتھ جوڑے کھڑا رہنے پر عار محسوس نہیں کررہا ہے جب کہ کل تک اسی برہمن کے والد ودادا اس دلت کے باپ کو اپنے کمرہ یا گھر ہی میں نہیں بلکہ اپنے گاؤں میں بھی داخل ہونے سے روکتے تھے، اسی کو کہتے ہیں

جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے

ڈاکٹر امبیڈکر صاحب اگر نہرو کی طرح وزیراعظم بھی ہوتے تو کیا ان کی قوم کی ترقی کی آج یہ حالت ہوتی، ہم خوش ہیں کہ ہمارے تین تین صدر مملکت بنے، ڈاکٹر ذاکر صاحب صدر مملکت بننے سے پہلے ۲۲/لاکھ لوگوں کی دستخط کے ساتھ اردو کے لیے جو میمورینڈم حکومت کو پیش کر چکے تھے صدر بننے کے بعد ملک کے سب سے باوقار عہدہ پر فائز ہونے کے باوجود اس سلسلہ میں کچھ نہیں کرسکے، فخرالدین علی احمد نجی مجالس میں اس بات کا اعتراف کرنے کے باوجود کہ ایمرجنسی میں جماعت اسلامی پر پابندی ناحق تھی، اس کو ختم کرنے کے لیے کوئی عملی قدم نہ اٹھا سکے، ڈاکٹر عبدالکلام گجرات کے ہندو مسلم فساد کو انسانیت کے ماتھے پر سیاہ دھبہ کہنے کے باوجود خود اپنی قیادت میں موجود ہندوستانی فوج کو اس فساد کو روکنے کے لیے نہیں بھیج سکے، اب آپ ہی بتائیے کہ ایسے دس مسلمان بھی صدر مملکت بنیں تو اس سے مسلمانوں کا کیا بھلا ہوگا، اس سے اچھے وہ دو مخلص اور ہمدرد مسلم آئی اے ایس افسر ہوں گے جو ملک کی انتظامی پالیسی میں اثر انداز ہوں گے۔

لیکن افسوس کہ سول سروس کی اہمیت کے باوجود ہماری قوم اس کی قدر کو سمجھنے سے قاصر ہے اور ان کی اکثریت اب بھی صرف انفارمیشن ٹیکنالوجی کے میدان میں پرکشش تنخواہوں کی وجہ سے جاری ہے، ایسا نہیں ہے کہ سول سروس میں تنخواہیں کم ہیں اس میں بھی بڑی تنخواہیں ہوتی ہیں، اس کے علاوہ ساٹھ سال کی عمر تک اس کی ملازمت یقینی ہے جب کہ آئی ٹی انفارمیشن کے انجینئروں کی ملازمت اس کی کمپنی کے دیوالیہ ہونے کے ساتھ جواب دے جاتی ہے، آئی اے ایس افسروں

کو تنخواہوں کے علاوہ ۱۰/ ۱۵/ ہزار روپیہ ماہانہ کرایہ کا شاندار مکان مفت، اعلی سواری، ہوائی و بری سفر کے مفت پاس، فری طبی سہولت کے علاوہ حفاظتی عملہ کی سہولت وغیرہ بھی ہوتی ہے۔

اگر ان سب کو ملا دیا جائے تو ۶۰/ ۷۰/ ہزار روپئے ماہانہ ہوتے ہیں اور ان سب سے بڑھ کر اس کی شخصیت کے وقار میں ہونے والے اضافہ کا تو کوئی متبادل ہی نہیں جس کو لاکھوں روپیوں میں بھی خریدا نہیں جا سکتا، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارا دانشور طبقہ سنجیدگی سے ملت کی اس اہم ضرورت پر توجہ دے اور جگہ جگہ اس کے لیے کوچنگ شروع کی جائے اور منصوبہ بند طریقے کے ساتھ اس سلسلہ میں محنت کی جائے پھر آپ دیکھیں گے کہ اگلے پانچ سالوں ہی میں سول سروس میں ہمارا تناسب دس فیصد ہو جائے گا اور اس ملک میں معاشی، سیاسی اور سماجی میدانوں میں مسلمانوں کی وہ ترقی ہوگی جس سے دنیا حیران وششدر رہ جائے گی، اگر ہندوستان کے ہر صوبہ میں مولانا فضل الرحیم صاحب مجددی ندوی کی طرح ایک ایک عالم دین یا دانشور بھی اس میدان میں آجائے تو ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی سماجی قسمت ہی بدل جائے گی اور مسلمان کسی کے دست نگر ہونے کے بجائے فیصلہ کن پوزیشن میں ہوں گے۔

❁❁❁❁❁

﴿پچھلے صفحہ ۳۵/ کا﴾ اپنی تعلیم مکمل کی اور ایک مشہور ومعروف عالم، فاضل، پروفیسر ڈائریکٹر کے روپ میں دنیا کے سامنے آئے، آپ کی ولادت ۱۹۰۱ء میں ضلع چاندہ سی پی کے ایک گاؤں میں دلیسہ میں ہوئی، بعد ابتدائی تعلیم کے فراغت ۱۹۰۹ء میں آپ نے ندوۃ العلماء کی عالمی درسگاہ دارالعلوم سے فیضیاب ہونے کے لیے داخلہ لیا، آپ کے اساتذہ میں علامہ سید سلیمان ندوی، علامہ شبلی نعمانی جیسے برگزیدہ لوگ تھے، علمی ذوق ورسائل کے مضمون نگار بلکہ ادارت سے سرفراز ہوئے۔

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی ملی وقومی سربراہی:

مولانا علی میاں ندوی محمد نسیم کے انٹرویو کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے خامہ فرسا ہیں کہ حکیم عبدالعلی ناظم ندوۃ العلماء سیاسی طور پر انتہائی بالغ النظر تھے اور ایک عرصہ تک جمعیۃ العلماء کے ساتھ رہے، لیکن میرا باضابطہ کسی سیاسی جماعت سے ربط نہیں رہا، البتہ ذہنی طور پر جمعیۃ العلماء سے ایک طرح کا لگاؤ تھا اور مسلم لیگ سے کبھی مناسبت نہیں رہی اور مولانا مدنی سے ہمارے خاندانی تعلقات تھے اور ان کی ذات کو خاندان میں خاصا دخل تھا، تحریک خلافت کے وقت ۱۹۲۱ء میں صرف ۹/۸ سال کا ساتھ رہا، البتہ انگریز دشمنی موروثی طور پر ہمارے یہاں چلی آرہی تھی، اس کے علاوہ ہمارے خاندان کا مولانا آزاد اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن اور اکابرین دیوبند سے ہمیشہ تعلق رہا۔

ملاقاتیں نام سے شائع کتاب کے انٹرویو میں مولانا مزید وضاحت کرتے ہیں کہ دنیا میں ایک ایسے گروہ کی بھی ملک وملت کو ضرورت ہے جو ہمہ وقتی خادم دین ہو، ہندوستان میں جو بھی دین باقی رہ گیا وہ آخر انہیں اللہ کے بندوں کے ایثار وقناعت کے طفیل ہے، ہمارے علماء نے جس مغربی تہذیب کا خود اعتمادی سے مقابلہ کیا اسی کا سبب ہے کہ وہ سیاسی واقتصادی محاذ پر دبے نہیں، ۱۹۵۷ء کے بعد سے وہ مسلسل حکومت کے عہدوں سے دور رہے، انہوں نے خود کو کلیتاً تصنیف وتالیف اور تبلیغ دین کے کاموں کے لیے وقف کیا اور صبر وتحمل وتوکل سے کام لیا۔

مفکر اسلام کی تواضع وخاکساری اپنی جگہ پر مگر اس وقت آپ کی عمر مبارک بھی کوئی خاص شباب تک نہیں پہنچی تھی، بعدہ آپ کی ملی قومی خدمات کا اگر یقینی طور سے جائزہ لیا جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ آزادی کے بعد ہندوستان میں کوئی ایسی ہمہ گیر شخصیت پروان نہیں چڑھی جس کی بہتر قیادت وسیادت نے نہ جانے کتنے متلاشی حق کو راہ ہدایت سے ہمکنار کیا اور بیش بہا تحریکوں اور تنظیموں کی ہچکولے کھاتی کشتی کو اپنی ناخدائی سے بیڑہ غرق تلاطم سے نکال کر ساحل مراد سے جا لگایا ہو اور یہ وصف خاص صرف بیسویں صدی کے اس مجدد، عارف باللہ کو اللہ تعالی نے بخشا تھا جسے دنیا مفکر اسلام سید ابو الحسن علی ندوی کے نام نامی سے جانتی وپہچانتی ہے۔ ❁❁❁❁❁

چوتھی قسط

سیرت وکردار

مسلم خواتین کے سچے واقعات

محمد شیث ادریس تیمی دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر دہلی

اسی دریاں سے اٹھتی ہے وہ موج تند جولاں بھی:

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں عام منادی کرادی تھی کہ کوئی شخص دودھ میں پانی نہ ملائے، ایک رات کا واقعہ ہے کہ جب وہ اپنے معمول کے مطابق مدینہ کی گلیوں میں گشت لگا رہے تھے تو ایک مکان کے اندر سے کسی عورت کی آواز سنی کہ وہ اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی۔

عورت: ''بیٹی! اب صبح ہونے کو آئی، اٹھ اور دودھ میں پانی ملادے''۔

بیٹی: ''اماں! میں کیسے دودھ میں پانی ملادوں جب کہ امیر المومنین نے منادی کرائی ہے کہ کوئی شخص دودھ میں پانی ملاکر دوسروں کے ہاتھ فروخت نہ کرے''۔

عورت: ''لڑکی باتیں نہ بنا، جب سارے ہی لوگ دودھ میں پانی ملا رہے ہیں تو تجھے ایسا کرنے میں کیا باک ہے، بھلا امیر المومنین کو اس کی اطلاع کیسے ہوجائے گی''۔

بیٹی: ''یہ ٹھیک کہ امیر المومنین عمر فاروق کو یہ بات نہیں معلوم ہوسکے گی لیکن عمر کا خدا تو دیکھ رہا ہے، اس لیے جب انہوں نے منع کردیا ہے تو میں ہرگز ان کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گی''۔

لڑکی کی گفتگو عمر رضی اللہ عنہ کو بے حد متأثر کرتی ہے علی الصباح اپنے بیٹے عاصم کو بلاتے ہیں اور اسے حکم دیتے ہیں۔

عمر: ''بیٹے عاصم! فلاں مقام پہ جا اور اس لڑکی کو تلاش کرکے اس سے نکاح کرلے، اس لیے کہ عین ممکن ہے کہ وہ ایسے شہسوار کو جنم دے گی جو سارے عرب پر حکومت کرے گا''۔

عاصم کو وہ لڑکی بنو ہلال میں ملتی ہے وہ اس سے شادی کرلیتے ہیں جو ام عاصم کو جنم دیتی ہے، ام عاصم کی شادی عبدالعزیز بن مروان سے ہوتی ہے اور ان کے بطن سے خلیفۂ راشد خامس عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوتے ہیں۔

جیسا کہ ابوزرع ام زرع کے لیے:

کسی بھی زبان وادب کی نشو ونما اور فروغ وترقی میں عورتوں کا نمایاں کردار رہا ہے، خاص طور سے عرب خواتین نے زبان وبیان کے حوالے سے بے مثال کردار ادا کیا ہے، ان کی طلاقت لسانی اور معجز بیانی کس حد تک بڑھی ہوئی تھی، اس کا اندازہ بخاری ومسلم کی اس روایت سے لگایا جاسکتا ہے، جس کی راوی ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں، آپ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ گیارہ عورتیں دل بہلانے اور خوش گپیوں کے لیے یک جا مل بیٹھیں اور سب نے آپس میں یہ طے کیا کہ وہ اپنے اپنے خاوند کے احوال بے کم وکاست بیان کریں گی، چنانچہ ان میں سے پہلی خاتون نے اپنی روداد اس طرح بیان کی۔

پہلی خاتون: ''میرا خاوند لاغر ونحیف اونٹ کی طرح ناکارہ ہے اور اس کا گوشت بھی ایسا کہ گویا وہ سخت دشوار گزار پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہوا ہو اور جس کی ناہمواری کے سبب اس پر چڑھنا مشکل ہو اور وہ گوشت ایسا مرغوب بھی نہیں کہ اسے اتارنے کی کوشش کی جائے یعنی وہ بیکار محض اور حد درجہ بد خلق ہے''۔

دوسری خاتون: ''اس کے عیوب کہاں تک گنواؤں، مجھے اندیشہ

ہے کہ اگر میں اس کے عیوب گنانا شروع کروں تو اس کا خاتمہ ناممکن ہے، کیونکہ ایسی صورت میں اس کے ظاہری و باطنی سارے عیوب بیان کرنے ہوں گے، مطلب یہ ہے کہ اس کے عیوب کی داستاں اس قدر دراز ہے کہ سننے والا اکتا جائے''۔

تیسری خاتون: ''میرا خاوند لم ٹنگا ہے، اگر میں کسی بات پر بول دوں تو فوراً طلاق اور چپ رہوں تو بیچ میں لٹکی رہوں، وہ بدشکل، بے وقوف اور بدخلق ہے، اسے میری ضرورتوں کا کچھ بھی خیال نہیں رہتا''۔

چوتھی خاتون: ''میرا شوہر سرزمین تہامہ (مکہ اور اس کے نواحی علاقے) کی رات کے مانند معتدل مزاج ہے، گرم ہے نہ نرم، نہ مجھے کس طرح کا اندیشہ ہے نہ ملال، بہت دل لگتا ہے ان کی صحبت میں''۔

پانچویں خاتون: ''میرا خاوند جب گھر آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے، باہر نکلتا ہے تو شیر بن جاتا ہے اور جو کچھ گھر میں ہوتا ہے وہ اس کی پوچھ تاچھ نہیں کرتا''۔

چھٹی خاتون: ''میرا شوہر اگر کھاتا ہے تو سب نمٹا دیتا ہے اور پیتا ہے تو سب چڑھا جاتا ہے اور جب لیٹتا ہے تو الگ کپڑے میں لپٹ کر سو جاتا ہے، مجھ کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا ہے کہ اسے میرے دل کی دھڑکن کا علم ہو سکے''۔

ساتویں خاتون: ''میرا خاوند نامرد ہے اور اتنا احمق ہے کہ ڈھنگ سے بات نہیں کرسکتا، دنیا کی ہر بیماری اس میں موجود ہے، بدخو ایسا کہ میرا سر پھوڑ دے یا زخمی کردے، یا بیک وقت دونوں ہی کرڈالے''۔

آٹھویں خاتون: ''میرا شوہر خرگوش کی طرح نرم اور زعفران کی طرح مہکیلا ہے''۔

نویں خاتون: ''میرا خاوند اونچے مکانوں والا (رفیع الشان) بہت زیادہ راکھ والا (مہمان نواز) اور دراز قد ہے، اس کا گھر دارالمشورہ سے قریب ہے (وہ صاحب الرائے ہے) اور ہر گھڑی کوئی نہ کوئی اس سے مشورے کے لیے آتا رہتا ہے''۔

دسویں خاتون: ''میرا شوہر مالک اور مالک کی تعریف کیا کروں، وہ تو ہر تعریف سے بالاتر ہے، اس کے پاس بکثرت اونٹ ہیں، جو عام طور پر شترخانوں میں بندھے ہوتے ہیں، چراگاہ کم ہی جاتے ہیں (تاکہ کسی مہمان کے آتے ہی اونٹ ذبح کرکے حسن ضیافت ممکن ہوسکے اور یہ انتظار باقی نہ رہے کہ شام کے وقت جب اونٹ جنگل سے آئے تب ذبح کریں گے) اور وہ اونٹ جب مہمانوں کے استقبال میں باجے کی آواز سنتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ اب ہلاکت کا وقت آ گیا''۔

گیارہویں خاتون: ''میرا خاوند ابوزرع ہے، اس کی کیا تعریف کروں؟ اس نے میرے کان زیوروں سے جھکا دیئے اور (کھلا کھلا کر) میرے بازو چوڑے کردیئے، مجھے اس قدر خوش رکھا کہ میں خود پسندی میں مبتلا ہوگئی، اس نے مجھے ایسے غریب خانوادہ میں پایا تھا جو بڑی تنگی کے ساتھ چند بکریوں پر گزارا کرتا تھا اور وہاں سے ایسے خوش حال خاندان میں لے آیا تھا جس کے یہاں گھوڑے، اونٹ، کھیتی کے بیل اور کسان مزدور تھے، مزید براں اس کے خوش خلقی ایسی کہ میری کسی بھی بات کا برا نہیں مانتا تھا، میں دن چڑھے تک سوتی رہتی، لیکن کیا مجال کہ کوئی مجھے بیدار کردے، کھانے پینے میں اتنی فراوانی تھی کہ میں سیر ہوکر چھوڑ دیتی۔

ابوزرع کی ماں، بھلا اس کی کیا تعریف کروں، اس کے بڑے بڑے برتن ہمیشہ بھرے رہتے ہیں، اس کا مکان مہمانوں کی بکثرت آمدورفت سے کافی کشادہ تھا۔

ابوزرع کا فرزند، اس کا کیا کہنا، وہ تو سونے پہ سہاگا ہے، دبلا پتلا اور چھریرے بدن کا (بہادر جوان) ہے، اس کی پسلی ستی ہوئی تلوار کی طرح باریک ہے اور بکری کے بچہ کا ایک بازو ہی اس کی آسودگی کے لیے کافی ہے۔

دختر ابوزرع کی کیا تعریف کی جائے، ماں کی تابعدار، باپ کی فرماں بردار (عربی معیار حسن کے مطابق) موٹی تازی اور رشک سوت ہے۔

ابوزرع کی باندی کا کیا حال بتاؤں؟ وہ کبھی ہمارے راز کو افشاں

نہیں کرتی، کھانے تک کی چیز بلا اجازت نہیں چھوتی اور گھر کو ہمیشہ صاف ستھرا رکھتی تھی اس طرح ہماری زندگی پرلطف گزر رہی تھی کہ ایک صبح جب دودھ بلوئے جا رہے تھے کہ ابوزرع گھر سے باہر نکلا، راہ میں اسے ایک عورت پڑی ہوئی ملی، جس کے کمر کے نیچے چیتے جیسے دو بچے اناروں سے کھیل رہے تھے (یعنی دودھ پی رہے تھے) ابوزرع اس پر اس طرح فریفتہ ہوا کہ مجھے اس نے طلاق دے دی اور اس سے شادی کر لی، اس کے بعد میں نے ایک شریف اور بہادر شخص سے شادی کر لی، اس نے مجھے بڑی نعمتیں دیں، حتی کہ اس نے مجھے ہر طرح کے مال مویشی جوڑا جوڑا عطا کئے اور کہا کہ ام زرع خود بھی کھاؤ اور چاہو تو اپنے میکے بھی بھیج دو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں اگر اس کے سارے عطیات اور نوازشوں کو جمع کر لوں پھر بھی وہ ابوزرع کے چھوٹے سے چھوٹے عطیئے کے برابر بھی نہیں ہو سکتے''۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ قصہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''عائشہ! میں تمہارے لیے ایسا ہی ہوں جیسا ابوزرع ام زرع کے لیے''۔

اندیشۂ فردا:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس صحابیات کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ برابر دین کی بقاء وتحفظ کے لیے سوچتی رہتیں اور ان کا دل اسلام اور اس کے اصول عدم وانصاف پر قائم ریاست کی سربلندی و پائے داری کے لیے دھڑکتا تھا، ان کو یہ فکر ہر وقت دامن گیر رہتی تھی کہ وہ جس دور سعادت سے گزر رہی ہیں کیا وہ اس سے ہمیشہ بہرہ ور ہوتی رہیں گی، یا کوئی ایسا وقت بھی آنے والا ہے جب یہ دولت ان سے چھن جائے گی۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایام حج میں قبیلہ احمس کی ایک خاتون کو دیکھا کہ وہ بالکل بول ہی نہیں رہی ہے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ زینب بنت مہاجر ہیں اور انہوں نے دوران حج خاموش رہنے کی نذر مان لی ہے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا:

ابوبکر: ''آپ کا یہ عمل کار ثواب نہیں بلکہ جاہلانہ حرکت ہے، اس لیے آپ اپنی نذر توڑ دیجئے اور ضرورت پڑنے پر بات بھی کیجئے''۔

زینب: ''آپ کون ہیں؟ اللہ آپ پر رحم فرمائے''۔

ابوبکر: ''میں مہاجرین کا ایک فرد ہوں''؟۔

زینب: ''آپ کن مہاجروں میں سے ہیں؟''۔

ابوبکر: ''مہاجرین قریش''۔

زینت: ''قریش کے کس قبیلہ سے آپ کا تعلق ہے؟''۔

ابوبکر: ''آپ تو بڑی سوال کرنے والی نکلیں، میں ابوبکر ہوں''۔

زینت: ''اچھا تو آپ ہمارے خلیفہ ہیں! بتائیے کہ جاہلیت کے بعد ہم کو جو راہ راست نصیب ہوئی ہے کب تک ہم اس پر قائم رہیں گے''۔

ابوبکر: ''جب تک آپ کے امام صحیح رہیں گے''۔

زینت: امام سے کس قسم کے لوگ مراد ہیں؟''۔

ابوبکر: ''اے اللہ کی بندی! کیا آپ کی قوم میں ایسے سردار نہیں گزرے جن کے احکام پوری قوم کے لیے واجب الاتباع ہوتے اور جن کے فرامین علی الفور قابل اطاعت؟''۔

زینب: ''ہاں''۔

ابوبکر: ''وہی تو اب بھی لوگوں کے سردار وامام ہیں''۔ ❁❁

گزارش

ماہنامہ نقوش اسلام ایک دینی، دعوتی، تاریخی، معلوماتی، ادبی اور اصلاحی رسالہ ہے، اسے خود بھی پڑھئے اور اپنے زیادہ سے زیادہ احباب کو بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیجئے، اس کی سال بھر کی ممبری فیس صرف ۱۰۰ / روپیہ ہے۔

اصلاحیات

شریعت اسلامیہ میں حلال وحرام

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

ماہنامہ نقوش اسلام مطبوعہ مئی ۲۰۰۹ء کے صفحہ ۴۲ / پر دعا کے آداب کے سلسلے میں اکل حلال وحرام کا مختصر مضمون شائع ہوا تھا، ماہ رواں کے رسالہ میں حلال وحرام کا تفصیلی بیان بھی پیش کیا جارہا ہے، شریعت اسلامیہ میں حلال وحرام کا مسئلہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے جس پر قبولیت اعمال کا توقف اور جہنم سے نجات کا مدار ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

”یایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً ولاتتبعوا خطوات الشیطن انہ لکم عدو مبین“۔ (سورہ بقرہ پارہ ۲ رکوع ۴)

اے لوگوں کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ اور پیروی نہ کرو شیطان کی، بیشک وہ تمہارا دشمن ہے صریح۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ”فکلوا مما رزقکم اللہ حلالاً طیباً واشکروا نعمت اللہ ان کنتم ایاہ تعبدون“۔ (سورہ نحل پارہ ۱۴/ رکوع ۲۱)

سو کھاؤ جو روزی دی تم کو اللہ نے حلال اور پاک اور شکر کرو اللہ کے احسان کا اگر تم اسی کو پوجتے ہو۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

حلال کمائی کی ترغیب وفضیلت:

”فَاِذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ واذکراللہ کثیرا لعلکم تفلحون“۔ (سورہ جمعہ پارہ ۲۸ / رکوع ۱۲)

پھر جب تمام ہو چکے نماز تو پھیل پڑو زمین میں اور ڈھونڈو فضل اللہ کا اور یاد کرو اللہ کو بہت سا، تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

اس آیت مبارکہ میں مفسرین حضرات نے اللہ کے فضل ڈھونڈنے سے روزی تلاش کرنا اور اس کی جستجو میں لگنا مراد لیا ہے، گویا اللہ تعالی فرمارہے ہیں کہ جب جمعہ کی نماز سے فارغ ہوجاؤ تو رزق کی تلاش میں بھی اللہ کی یاد نہ بھولو۔

کونسی کمائی پاکیزہ ھے:

حضرت مقدام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کبھی کسی نے اپنے ہاتھ کی محنت کی روزی سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کمائی ہوئی روزی کھاتے تھے۔ (بخاری شریف جلد ۱/ صفحہ ۲۷۸)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ حضرت کونسی کمائی زیادہ پاک اور اچھی ہے؟ آپ نے فرمایا آدمی کا اپنے ہاتھ سے کوئی کام کرنا اور ہر تجارت جو پاکیزگی کے ساتھ ہو۔ (مشکوۃ شریف جلد ۱/ صفحہ ۲۴۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ سب سے بہتر وہ کمائی ہے جس میں انسان کو اپنے ہاتھوں سے محنت کرنی پڑتی ہو جیسے زراعت، کتابت، درزی، لوہار، بڑھئی وغیرہ کا کام اور اگر کوئی شخص ہاتھوں کی محنت والا کام اختیار نہ کرسکے تو پھر ایسی تجارت کے ذریعہ اپنی حلال روزی کے حصول کی فکر کرے جو شریعت کے احکام کے مطابق اور امانت داری اور دیانتداری کے ساتھ ہو۔

دیانت دار تاجر کا مقام:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”پوری سچائی اور امانت داری کے ساتھ کاروبار کرنے والا تاجر (قیامت کے دن) نبیوں، صدیقوں اور

شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی شریف جلد ۱ ؍صفحہ ۲۲۹)

ایک حدیث میں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''سچا تاجر قیامت کے دن عرش کے سایہ میں رہے گا''۔ (الترغیب جلد ۲ ؍صفحہ ۵۸۵)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نخعیؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو امانت دار تاجر پسند ہے یا وہ شخص جس نے اپنے آپ کو عبادت کے لیے فارغ کرلیا ہو، فرمایا کہ مجھے امانت دار تاجر زیادہ پسند ہے، اس لیے کہ وہ جہاد کررہا ہے، شیطان اس کو ناپنے تولنے میں، لینے دینے میں اور خرید نے بیچنے میں راہ حق سے ہٹانا چاہتا ہے لیکن وہ اس کی اطاعت نہیں کرتا بلکہ وہ اس کا مقابلہ کرتا ہے۔ (احیاء العلوم اردو جلد ۲ ؍صفحہ ۱۵۷)

خریداروں سے نرمی سے پیش آنا مغفرت کا سبب بن گیا:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں (یعنی گذشتہ امتوں میں) سے ایک شخص کا واقعہ ہے کہ جب اس کے پاس موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے آیا تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا تو نے کوئی نیک کام کیا ہے؟ اس نے کہا مجھے یاد نہیں (کہ میں نے کوئی نیک کام کیا ہو) اس سے پھر کہا گیا کہ اچھی طرح سوچ لے، اس نے کہا کہ مجھے قطعاً یاد نہیں آرہا ہے، ہاں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میں دنیا میں جب لوگوں سے خرید وفروخت کے معاملات کیا کرتا تھا تو تقاضہ کے وقت (یعنی مطالبات کے وصولی میں) ان پر احسان کیا کرتا تھا، اس طرح سے کہ مالدار لوگوں کو تو مہلت دے دیتا تھا اور جو تنگ دست ونادار ہوتے تھے ان کو معاف کردیتا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل سے خوش ہوکر اس کو جنت میں داخل کردیا۔ (مشکوۃ شریف صفحہ ۲۴۳)

حلال روزی کھانے سے آقاء مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت:

ایک مرتبہ حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ کسی گاؤں کی ویران مسجد میں ٹھہرے، وہاں مغرب کے تھوڑی دیر بعد ایک غریب آدمی آیا اور جلدی جلدی مغرب کی نماز پڑھی، نماز کے بعد جب آپ کو دیکھا تو اپنے گھر گیا اور تین روٹی روکھی لاکر دیں، آپ نے ان کو تناول فرمایا اور سو گئے، رات کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور عجیب وغریب انوار وبرکات ظاہر ہوئے، اس لیے اگلے دن آپ پھر وہیں ٹھہر گئے، دن بھر کوئی نہ آیا بعد مغرب وہی شخص آیا اور آپ کو بیٹھا دیکھ کر اپنے گھر سے دو روٹی بغیر سالن کے لاکر دیں، یہ رات بھی پہلی رات کی طرح گزری اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے، آپ اگلے دن پھر ٹھہرے رہے بعد مغرب وہی شخص آیا اور آپ کو دیکھ کر گھر سے ایک روٹی لایا اور کہا بھائی مسافر اب جاؤ کل یہاں نہ ٹھہرنا، حضرت مولانا نے فرمایا میرے ٹھہرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں تمہاری روٹی میں عجیب لذت محسوس کرتا ہوں اور عجیب وغریب انوارات وبرکات کا مشاہدہ کررہا ہوں تم حقیقت حال بتاؤ تب جاؤں گا، اس شخص نے کہا میں بہت غریب آدمی ہوں، دن بھر محنت کرکے جو پیسے ملتے ہیں اس کا تھوڑا آٹا لے آتا ہوں جس میں تین روٹیاں پکتی ہیں، ایک میری، دوسری بیوی کی اور تیسری بچے کی، پہلے دن ہم تینوں نے فاقہ کیا اور تینوں روٹیاں تمہیں لادیں، دوسرے دن بچے کی حالت نہ دیکھی گئی اس لیے ایک روٹی اس کو دے دی، آج بھوک کی وجہ سے بیوی بے تاب تھی اس کے حصہ کی روٹی اس کو دے دی اور اپنے حصہ کی لے آیا اور اب کل کو مجھ میں بھی فاقہ کی طاقت نہیں اس لیے مجبوراً تمہیں کہنا پڑا۔

حضرت مولانا نے فرمایا سچ ہے یہ اس اکل حلال اور ایثار کے اثرات وثمرات اور برکات ہیں۔ (حالات مشائخ کاندھلہ صفحہ ۳۸ ؍۳۹)

ایک زمانہ میں حلال وحرام کی پرواہ ختم ہوجائے گی:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو اس کی پرواہ نہ ہوگی کہ وہ جو مال لے رہا ہے وہ حلال ہے یا حرام۔ (بخاری شریف جلد ۱)

غور فرمایئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں جس زمانہ کی خبر دی ہے بلاشبہ وہ یہی زمانہ ہے، آج امت میں ان لوگوں میں بھی جو دیندار سمجھے جاتے ہیں کتنے ایسے ہیں جو اپنے پاس آنے والے مال کے بارے میں تحقیق کرتے ہیں کہ مال حلال ہے یا حرام۔

اکل حرام کی ممانعت:

"یایھا الذین آمنوا لاتأکلوا اموالکم بینکم باالباطل الا ان تکون تجارة عن تراض منکم"۔(سورۃ النساء پارہ ۵؍رکوع ۲)

اے ایمان والوں نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے۔(ترجمہ شیخ الہند)

مطلب یہ ہے کہ کسی کو کسی کا مال ناحق کھا لینا مثلاً جھوٹ بول کر یا دغا بازی سے یا چوری سے ہرگز درست نہیں، ہاں اگر سوداگری، یعنی اگر خرید و فروخت کرو تم باہمی رضامندی سے تو اس میں کچھ حرج نہیں، اس مال کو کھالو، جس کا خلاصہ یہی نکلا کہ جائز طریقہ سے لینے کی ممانعت نہیں جو مال کا ترک کرنا تم پر دشوار ہو۔

حرام مال کی نحوست:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ حرام کمائے اور اس میں صدقہ کرے اور اس کا صدقہ قبول ہو اور اس میں سے خرچ کرے تو اس میں (منجاب اللہ) برکت ہو اور جو شخص حرام مال (مرنے کے بعد) پیچھے چھوڑ جائے گا، تو وہ اس کے لیے جہنم کا توشہ ہی ہوگا، یقیناً اللہ تعالیٰ بدی کو بدی سے نہیں مٹاتا بلکہ بدی کو نیکی سے مٹاتا ہے، یہ حقیقت ہے کہ گندگی گندگی کو ختم نہیں کرسکتی۔(مشکوۃ شریف جلد نمبر ۱ صفحہ ۲۴۲)

حرام کھانے والا جنت میں نہ جائے گا:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جنت میں وہ جسم داخل نہ ہوگا جس کو حرام سے غذا دی گئی ہو"۔(مشکوۃ شریف ۲۴۳)

حرام غذا سے نشوونما پانے والے جسم کی دوزخ ھی مستحق ھے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جنت میں وہ گوشت داخل نہیں ہوگا جو حرام سے پلا بڑھا ہو اور ہر وہ گوشت جو حرام سے پلا بڑھا ہو دوزخ کی آگ اس کے زیادہ مستحق ہے"۔(مشکوۃ شریف صفحہ ۲۴۲)

حرام کھانے سے اعمال قبول نھیں ھوتے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس نے دس درہم کا کپڑا خریدا اور اس میں ایک درہم حرام کا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی کوئی بھی نماز قبول نہ فرمائیں گے جب تک وہ کپڑا اس کے بدن پر رہے گا۔(مشکوۃ شریف صفحہ ۲۴۳)

حضرت ابراھیم بن ادھمؒ کا واقعہ:

حضرت ابراہیم بن ادہم کے متعلق حکایت بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ جب وہ مکہ مکرمہ میں تھے انہوں نے ایک شخص سے کھجوریں خریدیں، اتفاق سے دو کھجوریں ان کے پاؤں کے درمیان زمین پر گر پڑیں، انہوں نے یہ سوچ کر کہ میری خریدی ہوئی کھجوروں میں سے گری ہوں گی، وہ اٹھا کر کھالیں، پھر بیت المقدس تشریف لے گئے، آپ قبۃ الصخرہ میں داخل ہوئے (دوسرے لوگ چلے گئے اور آپ وہاں تنہا رہ گئے) وہاں دستور یہ تھا کہ قبہ میں جو کوئی ہوتا اسے وہاں سے عصر سے پہلے نکال کر خالی کردیا جاتا تھا تاکہ عصر بعد سے لے کر رات بھر فرشتوں کے لیے مخصوص رہے، حضرت ابراہیم بن ادہم چھپ گئے، رات کو فرشتے آئے تو بولے کہ یہاں کوئی انسان معلوم ہوتا ہے، ایک فرشتہ نے کہا کہ خراسان کے عابد ابراہیم بن ادھم معلوم ہوتے ہیں، دوسرے نے کہا کہ ہاں وہی ہیں، تیسرا بولا یہ وہی شخص ہیں کہ ہر روز ان کے اعمال قبول ہو کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں، چوتھا بولا بات تو یہی ہے مگر ایک سال سے ان کی عبادت اوپر جانے سے موقوف ہوگئی ہے اور اتنی مدت میں ان کی دعا بھی قبول نہیں ہوئی اور سبب اس کا وہ دو

کھجوریں بنی ہیں جوانہوں نے مکہ مکرمہ میں اپنی سمجھ کرزمین سے اٹھا کر کھالی تھیں، پھر یہ فرشتے اپنی عبادت میں مشغول ہوگئے یہاں تک کہ صبح صادق ہوگئی، دربان آیا اس نے قبہ کا دروزاہ کھولا، جناب ابراہیم بن ادھم نکلے اور سیدھے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ دوکاندار کا انتقال ہوگیا ہے، اس کے بیٹے، بیٹی، بیوی سے سارا قصہ سنایا، انھوں نے معاف کردیا، پھر بیت المقدس تشریف لے گئے اور اسی طرح قبہ میں داخل ہوکر رات گزاری، فرشتے آئے اور آپس میں کہنے لگے یہ ابراہیم بن ادھم ہیں جن کے ایک سال سے اعمال اوپر جانے سے موقوف ہوگئے تھے اوران کی دعا قبول نہیں ہوتی تھی، اب جب کہ وہ کھجوریں معاف کراآئے ہیں تو ان کے اعمال بھی قبول ہونے لگے اور دعا بھی، اللہ تعالی نے انھیں ان کے درجہ کی طرف لوٹا دیا ہے، حضرت ابراہیم بن ادھم یہ سن کر خوشی کے مارے روپڑے اورآپ کا حال یہ ہوگیا کہ آپ پے درپے روزے رکھنے لگے، صرف ساتویں دن رزق حلال سے روزہ کھولتے تھے۔ (قلیوبی عربی صفحہ ۳۹)

حرام کھانے کی چند صورتیں:

(۱)**سود خوری**: حرام اشیاء میں بدتر چیز سودخوری ہے، قرآن وحدیث میں اس کی بہت زیادہ برائی بیان کی گئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''سود کا ایک درہم کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی شدید ہے بشرطیکہ اسے معلوم ہو کہ یہ درہم سود کا ہے''۔ (مشکوۃ شریف صفحہ ۲۴۵)

سود خور کاانجام:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''معراج کی رات جب ساتویں آسمان پر پہنچ کر میں نے اوپرنظر اٹھائی تو میں نے چمک کڑک اور گرج دیکھی پھر فرمایا کہ میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے پیٹ مکانوں کی طرح (بڑے بڑے) تھے، ان میں سانپ اور بچھو بھرے ہوئے تھے جو باہر سے نظر آرہے تھے، میں نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں، جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ سودخور ہیں۔ (مشکوۃ شریف صفحہ ۲۴۶)

(۲)**رشوت خوری:**

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (ترمذی شریف)

ایک دوسری حدیث میں ہے "الراشی والمرتشی کلاھما فی النار"، رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں دوزخی ہیں۔

(۳) **ملاوٹ:**

سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "من غش فلیس منا" جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔ (ترمذی شریف جلد ۱ رصفحہ ۲۴۵)

(۴) **قرض لے کر واپس نہ کرنا:**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ شہید کے تمام گناہ معاف کردئے جاتے ہیں سوائے قرضہ کے کہ وہ معاف نہیں ہوتا۔ (مشکوۃ شریف)

(۵)**دوسرے کی چیز زبردستی لے لینا:**

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "ومن انتھب نھبة فلیس منا" جو شخص کسی کا مال لوٹتا ہے یا ناجائز طریقہ سے لیتا ہے، وہ ہم میں سے نہیں۔ (ترمذی شریف جلد ۱ رصفحہ ۲۳۹)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقاء مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی کی ایک بالشت زمین بھی ظلم سے لے گا قیامت کے دن ساتوں زمینوں سے اتنی ہی زمین اس کے گلے میں بطور طوق ڈالی جائے گی۔ (مشکوۃ شریف صفحہ ۲۵۴)

(۶)**کم ناپنے اورکم تولنے کا وبال:**

اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں "ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم اووزنوھم یخسرون"۔ (سورہ المطففین پارہ ۳۰ ررکوع ۸)

خرابی ہے گھٹانے والوں کی وہ لوگ کہ جب ماپ کرلیں لوگوں سے تو پورا بھرلیں اور جب ناپ کردیں یا تول کردیں تو گھٹا دیں۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند)

اکل حلال کی برکات:

(۱) اخلاق حسنہ پیدا ہوتے ہیں، اخلاق رذیلہ سے نفرت ہوتی ہے۔

(۲) اعمال صالحہ کی توفیق ملتی ہے۔

(۳) عبادت میں دل لگتا ہے۔

(۴) گناہ سے دل گھبراتا ہے۔

(۵) قلب میں نور اور معرفت پیدا ہوتی ہے۔

(۶) دعا قبول ہوتی ہے۔

(۷) کمائی میں برکت ہوتی ہے۔

(۸) اولاد پر اچھا اثر پڑتا ہے اور نیک وصالح اولاد پیدا ہوتی ہے۔

(۹) اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا نصیب ہوتی ہے۔

(۱۰) جنت میں داخلہ اور دوزخ سے نجات ملتی ہے۔

اکل حرام کی نحوستیں:

(۱) اعمال صالحہ کی توفیق نہیں ملتی۔

(۲) اگر اعمال صالحہ کرے بھی تو حلاوت نصیب نہیں ہوتی۔

(۳) اعمال قبول نہیں ہوتے۔

(۴) دعا قبول نہیں ہوتی۔

(۵) مال میں برکت نہیں ہوتی۔

(۶) برے اعمال کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔

(۷) اولاد پر برا اثر پڑتا ہے۔

(۸) حرام جس راستہ سے آتا ہے اسی راستے سے نکل جاتا ہے۔

(۹) حرام کھانے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

(۱۰) حرام کھانے والے سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوتے ہیں۔

کامل مومن

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "المسلم من سلم المسلمن من لسانہ و یدہ" سچا پکا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ ہوں، یعنی کامل مومن وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، اگر کسی کو زبان سے گالی دی، کسی کی چغلی کی، کسی کی غیبت کی تو یہ تکلیف زبان کی ہے اور کسی کی کوئی چیز اٹھالی یا چھین لی، یا بلا وجہ کسی کو ماردیا، یہ ہاتھ کی تکلیف ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "دو گھونٹ اللہ کو بہت پسند ہے ایک غصہ کا گھونٹ، دوسرا صبر کا۔

اللہ تعالی کو دو قطرے نہایت محبوب ہیں، ایک جہاد میں خون کا قطرہ، دوسرا آنسو کا وہ قطرہ جو رات کے تہائی حصہ میں صرف اللہ کے خوف سے نکلے۔

اسی طرح اللہ کو دو قدم بہت پسندیدہ ہیں، ایک وہ قدم جو فرض نماز کے لیے اٹھے، دوسرا وہ قدم جو کسی شخص کی عیادت وتعزیت کے لیے اٹھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جنت میں ایسے صاف شفاف بالا خانے ہیں جن کا باطن باہر سے نظر آتا ہوگا، صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اس میں کون لوگ رہیں گے، آپ نے فرمایا کہ لوگوں کو کھانا کھلانے والے، ہنسی خوشی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملاقات کرنے والے، ہمیشہ روزہ رکھنے والے، سلام کو عام کرنے والے، رات کو جس وقت عام لوگ آرام کرتے ہیں اس وقت اٹھ کر تہجد پڑھنے والے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ان سب پر عمل کرنا تو بہت مشکل ہے، پھر یہ مقام کیسے حاصل ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: اپنے بیوی بچوں پر جائز طریقے سے خرچ کرنا، لوگوں کو کھانا کھلانے کے برابر ہے، دوسرے کلمہ کا پڑھتے رہنا، ایک دوسرے کے ساتھ خوشی سے ملنے اور ملاقات کے برابر ہے، رمضان المبارک کے روزے رکھنا ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے، اپنے بھائی بہن کو سلام کرنا سلام کو پھیلانے کے برابر ہے، عشاء اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا ساری رات عبادت کرنے کے برابر ہے۔

زینب خدیجی
جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات مظفر آباد، سہارنپور

تبصرے

نئی کتابوں پر تبصرہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

نام کتاب: یکسالہ تدریسی وتربیتی کورس برائے فارغین مدارس
تالیف: پروفیسر انیس چشتی
صفحات: ۱۶/
قیمت: ۴۰/روپئے
Mob. 09890087779
پتہ: ۱۱۶/اسٹیر لنگ ہاؤس ۱۹۸۴ کنونٹ اسٹریٹ، پونہ، مہاراشٹرا۔

زیرتبصرہ کتابچہ پروفیسر انیس چشتی (پونہ) کا مرتب کردہ ہے، انیس چشتی صاحب ایم اے، بی ایڈ اور فزیکل ایجوکشن میں ڈپلومہ کئے ہوئے ہیں، جن کو تعلیم وتدریس اور دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں بھی مہارت حاصل ہے اور اللہ تعالی کی توفیق بھی شامل حال، وہ تعلیمی اور تربیتی میدان میں پچاس سال کا تجربہ رکھتے ہیں، ان کی ۳۹/سے زیادہ کتابیں اردو، انگلش اور مراٹھی میں آچکی ہیں، ۵۰۰/سے زیادہ مضامین لکھ چکے ہیں، جو مختلف رسائل اور اخبارات میں شائع ہوئے، غرضیکہ وہ ایک ماہر تعلیم اور ماہر نفسیات ہیں، جنہیں درس وتدریس کے سلسلہ میں طویل تجربہ حاصل ہے، اورانہوں نے عصری تعلیم کے ساتھ دینی اداروں میں افادہ واستفادہ کا فریضہ بھی انجام دیا ہے اور بہت سے اہل علم، علماء حق اور بزرگوں کا بھی اعتماد حاصل کیا ہے، خاص طور سے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو ان پر خاصا اعتماد تھا اور پیام انسانیت کے سلسلہ میں وہ حضرت مولانا کے ایک نمائندے تھے، اس اعتماد کی بنا پر وہ ندوۃ العلماء میں بھی طلبہ کے سامنے مختلف موضوعات پر لیکچر دے چکے ہیں، انہوں نے فارغین مدارس کے لیے ایک سالہ تدریسی وتربیتی کورس ترتیب دیا ہے، جس کی ابتداء میں انہوں نے معروضات کے ذیل میں یہ بات لکھی ہے کہ:

''ہمارا تدریسی تجربہ الحمدللہ چالیس برسوں سے اوپر کا ہے؛ لیکن اس میں خاص بات یہ ہے کہ ہم نے ایسی ایسی جگہوں پر پڑھایا ہے جہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا، ہماری مراد افواج اور بیوروکریسی کے اعلی افسران کی تدریس سے ہے، جس میں اسلامیات، اقبالیات، اخلاق وکردار اور قومی یکجہتی وغیرہ کے اسلامی اصول شامل ہیں، اسی طرح ہم پچھلے ۲۸/ برسوں سے ملک بھر میں پھیلے ہوئے بین الاقوامی شہرت یافتہ دینی اداروں سے بھی وابستہ ہیں اور وہاں عصری علوم پڑھا رہے ہیں اسی کے ساتھ ساتھ ہم ان اداروں سے بھی وابستہ ہیں اور اپنی تدریسی خدمات پیش کرتے رہتے ہیں جو خاص طور پر طبقہ علماء اور مدارس کے فارغین کے لیے تشکیل دیئے گئے ہیں، جن کا مقصد ہی علماء کی عصری علوم میں تربیت کرنا اور انہیں مستقبل کا داعی اور پیشوا بنانا ہے'' آگے لکھتے ہیں'' کہ بہت ہی غور وفکر کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سب سے پہلے تربیت یافتہ اساتذہ کی ایک کھیپ تیار کردی جائے، جو عصر حاضر کے تقاضوں سے عین مطابقت رکھتی ہو، جس میں مستقبل کا داعی بننے کا جذبہ بھی پیدا ہو، شائستہ، باصلاحیت اساتذہ اور افراد بھی پیدا ہوسکیں، زیرنظر نصاب اسی داعیانہ زیست کی ایک کلید ہے''۔

انہوں نے کورس کی یہ کتاب اردو اور انگریزی میں شائع کی ہے، دس صفحات اردو میں اور باقی ۶/صفحات انگریزی میں، اس کورس میں جو چیزیں رکھی ہیں ان کی سرخیوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کورس کس اہمیت وافادیت کا حامل ہے، کورس کی تفصیلات کے ذیل میں مثلاً مقاصد، شرائط انتخاب، کورس کے دوران، کورس کی وسعت، پھر معلوماتی عصری مضامین کے ذیل میں مثلاً کمپیوٹر، جغرافیہ، سائنس، حساب، انگریزی، مراٹھی یا ہندی، صحافت، نفسیات، اسلامی معاشیات، اختیاری مضامین، مثلاً موٹر ڈرائیونگ، کمپیوٹر کی ایڈوانسڈ اسٹڈی، پرنٹنگ ٹیکنالوجی، کمپیوٹر ڈیزائنگ، پروف ریڈینگ، لائبریری سائنس، انگریزی بول چال میں مہارت وغیرہ، پھر علمی کام، روحانیات، لازمی مطالعہ، سرسری مطالعہ، عصری علوم کا مطالعہ جس میں جغرافیہ، سائنس، حساب، انگریزی، مراٹھی، نفسیات۔ پھر طریقہ تدریس، اساتذہ فیکلٹی، سائنس کی تدریس، مذاہب کا تقابلی مطالعہ، ضروری مشورہ۔

(نصاب برائے جغرافیہ) باب اول: زمین کی شکل، زمین پر مقام کا تعین، مقامی اور معیاری وقت، کرۂ ہوا، کرۂ ہوا کی اہمیت، آب وہوا، حیاتیاتی کرہ۔

باب دوم: نظام شمسی، زمین کی گردش اور اس کے اثرات، موسموں کا بننا، مقامی وقت اور بین الاقوامی خط تاریخ۔

باب سوم: کائنات (سرسری مطالعہ)، سورج زمین اور چاند، کرۂ آب، سمندری فرش کی بناوٹ اور تلچھٹ، سمندری پانی کا درجۂ حرارت اور نمکینیت، سمندری پانی کی حرکات۔

باب چہارم: کائنات (تفصیلی مطالعہ)، چاند اور چاند کی شکلیں، گہن، زمین کا اندرونی حصہ اور چٹانیں، زلزلے اور آتش فشاں۔

غرضیکہ یہ نصاب بہت اہم ہے، اور انیس صاحب چشتی کی زندگی کا نچوڑ ہے، اس کو ان کے مشورہ سے بلکہ ان کے پاس رہ کر پڑھا جائے، تو زیادہ فائدہ ہوگا اور اگر کوئی اس کو اپنے طور پر بھی حاصل کرکے استفادہ کرے تو بھی اس کے بھی خاطر خواہ نتائج سامنے آئیں گے، انشاءاللہ۔ ❁❁❁

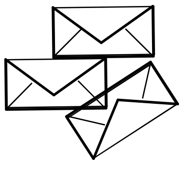

مراسلات

MarkazulhyailFikrilIslami,Muzaffarabad,Saharanpur(u.p)

مکرمی ومحترمی مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا گراں قدر ماہ نامہ ''نقوش اسلام'' بحمد للہ مدرسہ جامعہ ابوہریرہ ضلع سورت گجرات میں برابر آتا رہتا ہے، قارئین کے دلوں کی دھڑکن اور ان کے تخیل کی پرواز ماہنامہ نقوش اسلام کو اللہ نظر بد سے محفوظ فرمائے۔

آپ کی خدمت بابرکت میں دوعدد ''صحیح بخاری کا آخری درس'' از افادات حضرت مولانا مفتی عمر فاروق صاحب لوہاروی دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم لندن (یوکے) ارسال کیا جارہا ہے، جس کی اشاعت خود جامعہ نے کی ہے، آنخضور والا سے التماس ہے کہ اس کا تذکرہ آپ اپنے رسالہ ''نئی کتابوں پر تبصرے'' والے کالم میں کرکے ہماری اس حقیر درخواست کو قبول فرمائیں گے اور شرف قبولیت سے نوازیں گے۔

فقط والسلام

عبدالرحیم لوہاروی

ناظم جامعہ ابوہریرہ کوسمبا، حضرت شیخ اجمیری پارک، ضلع سورت

محترم مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

خدا کرے آپ بعافیت ہوں۔

آپ کا ماہنامہ نقوش اسلام دیکھنے کو ملا، بہت پسند آیا، اللہ تعالی آپ کی کوششوں کو قبولیت بخشے، آپ جیسے حضرات سے ہمت پاکر بندے نے بھی ایک چھوٹی سی کاوش کی ہے، وہ یہ کہ رائے بریلی سے ایک اردو ہفت روزہ ''ندائے صدیق'' نکالنا شروع کیا ہے، ہمت افزائی ودعاؤں کے لیے آپ کی خدمت میں ارسال ہے، مزید عرض ہے کہ تبادلہ کے طور پر اگر اپنے ماہنامہ کی ایک کاپی ایڈیٹر ندائے صدیق کے نام جاری فرمادیں تو مشکور ہوں گا۔ والسلام

امتیاز احمد ندوی

ایڈیٹر ندائے صدیق، ۴۵۷، علی نگر، رائے بریلی

وفیات

۱۲/اپریل ۲۰۰۹ء بروز اتوار کو نصف شب میں بھٹکل کے قاضی مولانا قاضی محمد احمد خطیبی صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

مرحوم بھٹکل کے ایک باوقار اور خوشحال گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، ان کے والد ابوبکر صاحب بھی منصب قضا پر فائز رہے، جن کی وفات کے بعد ۱۹۷۴ء میں قاضی محمد احمد خطیبی نے قضا کا منصب سنبھالا، وہ جماعت المسلمین بھٹکل کے سکریٹری بھی تھے، ان کی عمر ۱۰۲/سال کی تھی، قاضی صاحب کے پسماندگان میں تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں، ان کے چھوٹے صاحبزادے مولانا عبدالرب صاحب خطیبی جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں استاذ اور جماعت المسلمین کے نائب قاضی بھی ہیں، تمام قارئین سے مرحوم کے لیے دعائے مغفرت اور بلندی درجات اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔

جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ میں تقریب ختم قرآن

۲۳/جون ۲۰۰۹ء بروز منگل کو مرکز کے شعبہ ''جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ'' میں دو بچوں کا قرآن پاک حفظ مکمل ہوا، جس کا اہتمام مرکز کی جامع مسجد میں کیا گیا، جامعہ کے یہ دونوں بچے تقریباً تین سال سے اس مدرسہ میں زیر تعلیم ہیں، واضح رہے کہ محمد شاہ رخ موضع رسول پور ضلع سہارنپور اور محمد عثمان موضع مظفری، ضلع سہارنپور نے یہ سعادت حاصل کی۔

ختم قرآن کے موقع پر مرکز کے روح رواں اور جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی نے ان ہونہار بچوں اور مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ دوستو! قرآن پاک کا حفظ کرلینا یہ بہت بڑی سعادت اور نیک بختی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، مزید انہوں نے قرآن کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حافظ قرآن سے کل قیامت کے دن کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور جنت کے بلند سے بلند مقام پر چڑھتا جا، جہاں تو جاکر رک جائے گا وہی تمہارا ٹھکانہ ہوگا، علاوہ ازیں حافظ قرآن کے والدین کو قیامت کے دن ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی اور چمک چودھویں رات کی چاند کی طرح ہوگی، جب پوچھا جائے گا کہ یہ کون لوگ ہیں، تو انہیں بتایا جائے گا کہ یہ حافظ قرآن کے والدین ہیں، اللہ اکبر! کیسا مقام عطا ہوگا قیامت کے دن حافظ قرآن کو اور ان کے والدین کو، اللہ تعالی سارے مسلمانوں کو اس کی توفیق دے۔ (ادارہ)